'دین' و 'شریعت' کا مفہوم (ایک تحقیقی وتقابلی جائزہ)

The Sense and limitations of Faith(Deen) and Jurisprudence(Shariah). A Research Analysis

کلثوم بی بی [1]
پروفیسر ڈاکٹر شمس البصر [2]

Abstract:

Allah has sent human being in this world with the designation of caliph. That's why the main purpose of human being is to act upon Allah's orders. Allah says in Quran: I created ghost(jin) and human for the worship only. In order to accomplish this goal Allah sent various messangers and prophets who provide guidance to human and deliver Allah's laws and orders. They also taught human being the pathology and un-pathology of God.

The first part of the prophecy was the first world 's man Hazrat Adam(A.S). He guides their children on Allah's command according. Even the chain of prophethood ended on Hazrat Muhammad (P.B.U.H) with the knowledge of Quran and Sunnah. Quran strongly emphasis and order human that there is only one religion for all mankind. That's why Quran don't emphasis on the believers of any other religion to accept Islam as a new religion. Infact it tells actual thought of various religion delivered by various prophets of God.

Actually mean of Deen and shariah both mean law form by Allah. Deference is that in Deen, it shows no alteration in religion in various era. Like shariah include the properties of Deen in which way of life could be modified according to the circumstances. This modification could be change only by Allah, or the person to whom it is given the right(Prophets or Messangers). This is mandatory that both Deen and sharah's actual meaning, terms and scope be clear. This Article is a low effort in this regard.

دین کا مفہوم: دین عربی زبان کا ایک وسیع المعنی لفظ ہے اسکا مادہ 'دی ن' ہے۔ لغوی لحاظ سے یہ لفظ متعدد معنوں میں استعمال ہوتا ہے جیسے غلبہ، اقتدار، حکومت، مملکت، آئین، قانون، نظم ونسق، فیصلہ، ٹھوس نتائج جزا وسزا اور بدلہ، حکم، ملکیت، مذہب، ملت، اطاعت وفرمانبرداری وغیرہ۔ 'مصباح اللغات' میں 'دین' کے معنی ہیں ''تمام وہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے تحت میں آئیں۔'' (۱) 'حسن اللغات' میں ''دین (ع) مذہب پنتھ، حساب، بدلہ دینا۔'' (۲) 'المنجد فی اللغۃ والاعلام' کے مطابق دین کے معنی

[1] (پی ایچ ڈی اسکالر سرگودھا یونیورسٹی)
[2] (سابق صدر شعبہ اسلامیات، جامعہ اسلامیہ، بہاولپور)

ہیں''حساب۔اسی سے ہے یوم الدین، دیندار دین کا مضبوطی سے پکڑنے والا''(۳)

'نور اللغات' میں لفظ دین کو ایمان کا مترادف کہا گیا ہے۔(۴) لغات القرآن (صحیح) میں دین کے معنی مذہب، حساب، انصاف، بدلہ دینا، اطاعت کیے گئے ہیں۔(۵) جبکہ صاحبِ 'قاموس مترادفات' کے مطابق 'دین' کے معنی ہیں مذہب، ایمان، عقیدہ، آخرت، نظام زندگی۔(۶) دین کا ایک معنی حساب بھی ہے جو تقریباً تمام کتب لغات میں موجود ہے لیکن مصباح اللغات اور المنجد کی خاص بات یہ ہے کہ ان میں یہ معنی آیت: یوم الدین سے لیا گیا ہے اور اسکے ساتھ ساتھ کچھ اور معنی بھی اسی کے ساتھ خاص کر دیئے ہیں جیسے ملکیت، قدرت، حکم وغیرہ۔اب اگر ہم بعد والے معنوں کا اسی آیت کے پس منظر میں پہلے معنی کے ساتھ ربط بنانا چاہیں تو وہ کچھ اسطرح سے بن جائے گا کہ دین سے مراد حساب کا دن ہے ایسا دن جسکی ملکیت صرف اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے۔اس دن وہ اپنی قدرت سے جو چاہے گا حکم کریگا۔دین کے دیگر معنی جیسے بدلہ، فیصلہ اور جزاوسزا وغیرہ کو بھی ہم اسی میں بیان کر سکتے ہیں۔حکم کی جگہ ان میں سے کوئی بھی معنی رکھ دیں مفہوم پورا ہو جائے گا جیسے اس دن وہ اپنی قدرت سے جو چاہے گا فیصلہ کرے گا یا بدلہ دے گا یا جزا و سزا دے گا۔

لفظ 'دین' ایک جامع اصطلاح ہے۔اس سے مراد ایک ایسا نظام زندگی ہے جس میں انسان کسی کا اقتدارِ اعلیٰ تسلیم کرے اسکی اطاعت وفرمانبرداری قبول کرے، اسکے حدود وضوابط وقوانین کے تحت زندگی بسر کرے، اس کی فرمانبرداری پر عزت، ترقی اور انعام کا امیدوار ہو اور اس کی نافرمانی پر ذلت وخواری اور سزا سے ڈرے۔دین اصطلاحاً آئین، قانون، ضابطہ حیات اور اطاعت و فرمانبرداری کے معنوں میں آتا ہے۔اب اطاعت وفرمانبرداری کس کی؟ اور کیوں اختیار کی جائے؟ اپنے مخصوص تناظر میں یہ اصطلاح 'دین' انہی بنیادی سوالوں کا جواب ہے۔مولانا خورشید احمد کے مطابق یہ اصطلاح چار بنیادی تصورات کی عکاسی کرتی ہے جیسے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور اسکا اقتدارِ اعلیٰ کا اقرار کیا جائے

۲۔ اطاعت وبندگی جو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے مقابلے میں اختیار کی جائے

۳۔ وہ قواعد وضوابط یا طریقہ کار یا نظام فکر وعمل جو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے زیر اثر ہے۔

۴۔ جزا اور سزا جو اس نظام کی اطاعت یا عدم اطاعت کا منطقی نتیجہ ہو۔(۷)

ایک کتاب''اسلامی انقلاب کا عہدنامہ ترتیب نزول اور طبقاتی نقطہ نظر سے سورۃ الفاتحہ کا مطالعہ'' میں آیت 'مالک یوم الدین' پر گفتگو کرتے ہوئے لفظ 'دین' کے چار معنی لکھے ہیں قانون، مکافاتِ عمل، عدالت اور حاکمیت۔(۸) دین کے مذکورہ بالا چار بنیادی تصورات بھی انہیں کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں۔ان تصورات سے لفظ دین کے یہی چار اصطلاحی معنی مستنبط کیے جاسکتے ہیں جیسے:

۱۔حاکمیت: یہ دنیا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ایک نمونہ ہے۔اس کی تمام اشیاء اللہ کی پیدا کردہ ہیں۔اس کائنات کی تمام مخلوقات حتیٰ کہ اشرف المخلوقات نوع انسان سے لے کر گندگی میں رینگنے والے کیڑے مکوڑوں تک سب اسکی قوت وطاقت کا شاہکار اور اس کے حکم کے تابع ہیں۔اللہ تعالیٰ ہی کل کائنات کا مالک، رازق، زندگی وموت کا مختار اور آخرت کا قائم کرنے والا زبردست، قہار وجبار ہے۔اس کے تمام نام اس کے اقتدارِ اعلیٰ اور اس کی حاکمیتِ اعلیٰ کی واضح دلیل ہیں۔

۲۔عدالت: عدل کے معنی برابر ہونا کم یا زیادہ نہ ہونا کے ہیں۔اسی لیے معاملات اور قضایا میں فیصلہ کرنے کو عدالت کہتے ہیں کہ حکم دو فریقوں کی باہم زیادتیاں دور کر دیتا ہے۔ترازو کی تول کو معادلت کہتے ہیں کیونکہ وہ دونوں پلڑوں کا وزن برابر کر دیتا ہے۔ یہی عدالت جب اشیاء میں نمودار ہوتی ہے تو کمیت وکیفیت میں تناسب پیدا کر دیتی ہے۔ایک جز کا دوسرے جز کے کمیت یا کیفیت میں مناسب وموزوں ہونا عدالت ہے۔ملوکیت و بادشاہت کے زیر اثر پرورش پانے والے انسانی ذہنوں میں ذاتِ الٰہی کا بھی دہشت وغضب والا تصور بن گیا ہے۔حالانکہ اس دنیا کا تمام نظام عدل وقسط کے باعث رواں دواں ہے۔اللہ تعالیٰ کی تمام خلقت

اشیاء، اجسام حیوانات ونباتات وجمادات اور تمام نظام زمینی وشمسی عدل وتوازن پر قائم ہے۔ اگر ایک لمحہ کے لیے یہ توازن بگڑ جائے تو تمام نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے۔

جب عدالت کا قانون کائنات خلقت کے ہر گوشہ میں نافذ ہے تو کیونکر ممکن ہے کہ انسان کے افکار واعمال اس دائرہ اثر سے باہر ہوں۔ افراط وتفریط اور ناانصافی وانحراف کی جگہ عدل وقسط پر مبنی عمل ہی مقبول ہوتا ہے اور اسی عمل کو وحی الٰہی عمل صالح کہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے بدعملی اور برائی کے لیے جتنی تعبیرات اختیار کی ہیں مثلاً ظلم، طغیان، اسراف، تخذیر، فساد، عدوان، اعتداء وغیرہ سب ایسی ہیں کہ اگر ان کے معنی پر غور کریں تو عدل وتوازن کی ضد اور مخالف ثابت ہونگی کیونکہ برائی کی حقیقت قرآن کے نزدیک اسکے سوا کچھ نہیں کہ حقیقت عدل سے انحراف ہو۔

۳۔ قانون: دین کے معنی نا صرف سامی بلکہ آریائی زبانوں میں بھی قانون کے ہیں۔ اس لیے یوم الدین سے مراد وہ دن ہے جس روز قانونی یا عادلانہ فیصلہ ہوگا۔

۴۔ مکافاتِ عمل: تمام اقوام میں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ انسان جیسا عمل کریگا اسکا نتیجہ ویسا ہی ملے گا۔ نیکی کا بدلہ نیک اور بدی کا بدلہ برا ملنا ناگزیر ہے خواہ موجودہ زندگی میں یا مرنے کے بعد۔ دین کے اس معنی کے لیے مکافاتِ عمل کی اصطلاح بھی استعمال ہوتی ہے کیونکہ مذہب کا بنیادی اعتقاد مکافاتِ عمل کا اعتقاد ہے۔

مذکورہ بالا تمام مفاہیم میں لفظ دین قرآن کریم میں بھی استعمال ہوا ہے۔ محمد فواد عبدالباقی کے مطابق "قرآن کریم میں تقریباً بانوے مقامات پر یہ لفظ مختلف حالتوں (گرامر کے لحاظ سے) میں آیا ہے۔" (۹) قرآن کریم میں لفظ 'دین' کے معنی اور مفہوم کو ذیل میں چند آیات قرآنیہ کی مدد سے واضح کیا جاتا ہے:

عدل: دین کا ایک معنی قرآن کے مطابق عدل ہے جو مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ: عدل کے دن کا حاکم (۱۰) سے ماخوذ ہے۔ یوم الدین کو یوم الحساب اور یوم الفصل بھی کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چونکہ انسان کو آزاد نہیں رکھا بلکہ اپنی طرف سے ایک مکمل قانونی نظام دیا ہے۔ اب جو شخص اس پر عمل کرے اور جو اس کے خلاف کرے تو ظاہر ہے اس کا فیصلہ بھی تو ہونا چاہیے۔ اسی مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی عدالت کا ایک دن مقرر کر دیا ہے۔ اور اس دن تمام اعمال کا عدل کے مطابق بدلہ ملے گا۔

مذہب: قرآن کریم میں دین کا ایک معنی مذہب بھی استعمال ہوا ہے۔ مذہب اصل میں ایک عمومی اصطلاح ہے جس کے اندر تمام قانونی و دنیاوی ضابطے شامل ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ: اور (ملک میں) خدا ہی کا دین ہو جائے۔ (۱۱) اس آیت قرآنی سے مراد یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اس دنیا میں اپنے بندوں کو کچھ اختیارات دیتا ہے اور انہیں اپنے بندوں پر حکم مقرر کرتا ہے تو انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین یعنی اسے کے مقرر کردہ ضابطوں کے مطابق نظام چلائیں اور اپنی من مانی نہ کریں۔ یعنی جس طرح ان کے پاس موجود اختیار اللہ کا تفویض کردہ ہے اسی طرح ان کا نظام بھی اسی ذات کے تابع ہونا چاہیے۔

قانون: لفظ دین قرآن کریم میں قانون کے معنوں میں بھی آیا ہے ارشاد الٰہی ہے مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ: (ورنہ)

بادشاہ کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو لے نہیں سکتے تھے۔(۱۲) دین الملک سے مراد بادشاہِ وقت کا قانون ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خود انسانوں کے بنائے ہوئے قانونی ضابطوں کے لئے دین کا لفظ استعمال فرما کر اس لفظ کی معنوی وسعت کو واضح کر دیا ہے۔ مولانا مودودی اس آیت کی تفسیر میں لفظ دین کے معنی کے حوالے سے لکھتے ہیں ''قانون ملکی (law of the land) کے لئے لفظ دین استعمال کر کے اللہ تعالیٰ نے معنی دین کی وسعت پوری طرح واضح کر دی ہے۔ اس سے ان لوگوں کے تصور دین کی جڑ کٹ جاتی ہے جو انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو صرف عام مذہبی معنوں میں خدائے واحد کی پوجا کرانے اور محض چند مذہبی مراسم وعقائد کی پابندی کرا لینے تک محدود سمجھتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ انسانی تمدن، سیاست، معیشت، عدالت، قانون اور ایسے ہی دوسرے دنیاوی امور کا کوئی تعلق دین سے نہیں ہے، یا اگر ہے بھی تو ان امور کے بارے میں دین کی ہدایات محض اختیاری سفارشات ہیں جن پر اگر عمل ہو جائے تو اچھا ہے ورنہ انسانوں کے اپنے بنائے ہوئے اصول وضوابط قبول کر لینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ سراسر گمراہانہ تصورِ دین جس کا ایک مدت سے مسلمانوں میں چرچا ہے، جو بہت بڑی حد تک مسلمانوں کو اسلامی نظام زندگی کے قیام کی سعی سے غافل کرنے کا ذمہ دار ہے جس کی بدولت مسلمان کفر وجاہلیت کے نظام زندگی پر نہ صرف راضی ہوئے بلکہ ایک نبی کی سنت سمجھ کر اس نظام کے پرزے بننے اور اس کو دخود چلانے پر بھی آمادہ ہو گئے۔ اس آیت کی رو سے قطعاً غلط ثابت ہوتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ صاف بتا رہا ہے کہ جس طرح نماز روزہ حج دین ہے اسی طرح وہ قانون بھی دین ہے جس پر سوسائٹی کا نظام اور ملک کا انتظام چلایا جاتا ہے۔'' (۱۳)

اطاعت: قرآن کریم میں متعدد مقامات پر دین سے مراد اطاعت وفرمانبرداری لیا گیا ہے جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِص: دیکھو اطاعت خالص خدا ہی کے لئے زیبا ہے۔(۱۴) ان ارشادات میں واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے دین کی اطاعت اور فرمانبرداری کی تاکید کی جا رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب اقتدار اسی کا ہے قانون اسی کا ہے تو اطاعت بھی اسی کی لازم ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کی اطاعت اصل میں اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے۔

دینِ حنیف: قرآن کریم میں دین حنیف کی اصطلاح بھی استعمال ہوئی ہے ارشادِ الٰہی ہے وَاَنْ اَقِمْ وَجْھَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفاً: اور یہ کہ (اے محمدؐ) سب سے یکسو ہو کر دین حنیف کی پیروی کیے جاؤ۔(۱۵) اس آیت میں خطاب آپ ﷺ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو یہ نصیحت فرما رہے ہیں کہ یکسو ہو کر یعنی اپنے مخالفین سے بے نیاز ہو کر صرف 'دین' کے ہو جاؤ۔ اس سے مراد دین پر عمل کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات برداشت کرنا اور ان مشکلات کی پرواہ کیے بغیر دین پر عمل کرنا بھی دین کہلاتا ہے۔ حنیف اس کو کہتے ہیں جو سب طرف سے مڑ کر ایک طرف کا ہو جائے۔ پس دین حنیف سے مراد یہ ہے کہ دین کو ایسی یکسوئی کے ساتھ اختیار کریں کہ کسی دوسرے طریقے کی طرف رجحان ومیلان نہ رہے

اقامتِ دین: قرآن کریم نے دین کو قائم رکھنے کی تلقین فرمائی ہے اس ارشادِ الٰہی کے مطابق اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ: دین کو قائم رکھو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو۔(۱۶) یعنی ہر صورت میں دین کا بول بالا ہونا چاہیے اور اس میں اختلاف اور تفرقہ بازی سے بچنا چاہیے۔ اقیمو الدین کا ترجمہ حضرت شاہ ولی اللہ (۱۱۷۶ھ) نے ''قائم کنید دین را'' کیا ہے۔(۱۷) مولانا مودودی (۱۳۹۹ھ) کے مطابق ''اقامت کے معنی قائم کرنے کے بھی ہیں اور قائم رکھنے کے بھی، اور انبیاء علیہم السلام ان دونوں کاموں پر

مامور تھے۔ان کا پہلا فرض یہ تھا کہ جہاں یہ دین قائم نہیں ہے وہاں اسے قائم کریں اور دوسرا فرض یہ تھا کہ جہاں یہ قائم ہو جائے یا پہلے سے قائم ہو وہاں اسے قائم رکھیں۔'' (۱۸)

بدلہ کا دن یعنی یوم آخرت: نقوش قرآن نمبر میں لکھا ہے ''بعض آیاتِ کریمہ میں ''دین'' کا لفظ جزا کے معنی میں آیا ہے اگرچہ کل مقامات قرآنی باسٹھ ہیں مگر ان میں دین و مذہب بھی شامل ہے۔'' (۱۹) قرآن کریم میں متعدد ایسے مقامات ہیں جہاں لفظ 'دین' بمعنی جزا وسزا یا بدلہ کا دن یعنی یوم آخرت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے جیسی کَلَّا بَلْ تُکَذِّبُونَ بِالدِّینِ: کوئی نہیں پر تم جھوٹ جانتے ہو انصاف ہونا (۲۰) فَمَا یُکَذِّبُکَ بَعْدُ بِالدِّینِ: پھر تو اس کے پیچھے کیوں جھٹلاوے بدلا ملنا (۲۱) اَرَأَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّینِ: تونے دیکھا؟ وہ جو جھٹلاتا ہے انصاف ہونا (۲۲)

ان تمام آیات کریمہ میں واضح طور سے دین کے معنی بدلے کا دن یعنی یوم آخرت کے ہیں۔

عقیدہ وایمان کے معنی میں: اللہ تعالیٰ نے انسان کو فطرت سلیمہ پر پیدا فرمایا اسی لئے فرمایا لا اکراہ فی الدین: دین میں کوئی جبر نہیں (۲۳) اس فرمان الٰہی کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان جب چاہے کسی عقیدہ کا اقرار کرلے اور جب چاہے اس سے مکر جائے۔ ایک غیر مسلم جب اسلام قبول کرتا ہے تو اس سے اس کے سابقہ اعمال کا کوئی مواخذہ نہیں ہوتا۔لیکن اگر دائرہ اسلام میں داخلے کے بعد انحراف کرے تو ایسے شخص کے متعلق ارشاد نبوی ﷺ ہے: من بدل دینہ فاقتلوہ: جو اپنا دین تبدیل کرے پس اسے مار ڈالیں (۲۴) لہٰذا مذکورہ آیت میں دین سے مراد عقیدہ وایمان ہوگا جو کسی بھی مذہب کی بنیاد ہوتے ہیں۔اس کی وضاحت حدیث جبرائیل سے بھی ہوتی ہے۔روایت ہے کہ ایک بار ایک اجنبی شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ سے کچھ سوال کیے اسکے جانے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا ھذا جبرائیل جاء کم یعلمکم دینکم: یہ جبرائیل تھے جو دین سکھنے آئے تھے۔ (۲۵) اسی طرح ایک اور حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا الدین النصیحہ (دین نصیحت کا نام ہے) آپ ﷺ نے تین بار یہ کلمات فرمائے تب صحابہ نے عرض کی لمن یا رسول اللہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا للہ ولکتابہ ولرسولہ ولامۃ المسلمین وعامتھم: اللہ اس کی کتابوں اس کے رسولوں اور تمام امت مسلمہ اور عام انسانوں کے لئے۔ (۲۶) اسی لئے فرمایا کہ من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین: جو شخص اللہ سے بھلائی کا طلب گار ہو اسے چاہیے کہ دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرے۔ (۲۷)

اس بحث کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ 'دین' کے لغوی واصطلاحی مفہوم میں بہت حد تک مشابہت پائی جاتی ہے اور بہت کم اختلاف ہے جیسے قانون، فیصلہ، جزا، بدلہ، اطاعت وغیرہ۔اپنے تمام معنی ومفاہیم کے ساتھ اسکی نسبت خدائے بزرگ و برتر کی طرف ہی لوٹتی ہے۔مجموعی طور پر تقریباً تمام مفاہیم ملتے جلتے ہیں جیسے حساب، بدلہ، جزا، مذہب، حکم وغیرہ۔کچھ مقامات پر مختلف معنی بھی ملتے ہیں جیسے حسن اللغات کے مطابق ایک فرشتہ کا نام بھی ہے اور ہر شمسی مہینے میں چوبیسویں تاریخ کو بھی دین کہتے ہیں۔لیکن یہ دین کے غیر معروف اور غیر مستعمل معنی ہیں۔قرآن کی رو سے یہ لفظ صرف خدائی نظام یا الہامی ضابطہ حیات کے لئے ہی مخصوص نہیں بلکہ غیر الہامی وکفرانہ نظام کے لئے بھی لفظ دین استعمال کیا گیا ہے۔جیسا کہ سورۃ الکافرون میں۔

شریعت کا مفہوم: لفظ شریعت کا مادہ ش۔ر۔ع ہے۔اور یہ باب فتح یفتح سے ہے۔لغت میں کئی معنوں میں مستعمل ہے

۔شرع اصل میں مصدر ہے پھر بطور اسم کے بولا جانے لگا اس راستے کے لیے جو واضح ہو۔ چنانچہ واضح راستہ کو شرع اور شریعت کہا جاتا ہے اور استعارہ کے طور پر طریق الٰہیہ کے لیے یہ الفاظ بولے جاتے ہیں۔ امام راغب اصفہانی نے لفظ 'شرع' کی تحقیق یوں بیان کی ہے الشرع نہج الطریق الواضح یقال شرعت له طریقاً والشرع مصدر ثم جعل اسما للطریق النہج فقیل له شرع وشرع وشریعة واستعیر ذلک للطریقة الالٰهیة (۲۸) شرع کے معنی ہیں وہ سیدھا راستہ جو واضح ہو۔ کہا جاتا ہے میں نے اسکے لیے واضح راستہ مقرر کر دیا۔ لفظ شرعہ اور شریعت پانی تک جانے والی راہ کو کہتے ہیں ایسے ہی پانی والی جگہ کو بھی شریعت یا مشروع کہتے ہیں۔

صاحب لسان العرب کے مطابق: شرائع شریعت کی جمع ہے عربی زبان میں الشریعة المشراع اور المشرعة کا اطلاق پانی کی جگہوں پر ہوتا ہے۔ بالخصوص لفظ 'الشریعہ' اس تالاب کے لیے بولتے ہیں جس کا پانی ختم نہ ہو۔ (۲۹) مولانا ابوالفضل بلیاوی کے مطابق اس کے معنی قانون بنانا شریعت جاری کرنا، راستہ ظاہر کرنا، اللہ کے مقرر کردہ احکام۔ (۳۰) صاحب حسن اللغات کے نزدیک شریعت کے پانچ لغوی معنی ہیں س ا۔ مذہبی احکام ۲۔ خدا تک پہنچنے کا راستہ ۳۔ خدا کا بنایا ہوا وہ راستہ جو پیغمبروں کے ذریعے انسانوں کو معلوم ہوا ۴۔ بڑی ندی بڑی اور جاری نہر ۵۔ پنگھٹ یعنی پانی کا کنارہ جہاں سے لوگ پانی لیتے ہیں۔ (۳۱) نور اللغات کے مطابق راہ خدا کی بتائی ہوئی۔ وہ قانون جو خدا نے بندوں کے واسطے مقرر فرمایا۔ انصاف، طریقہ۔ (۳۲) قاموس مترادفات کے نزدیک شریعت کے معنی طریقہ، مسلک، مذہب، قاعدہ، قانون، دستور ہیں۔ (۳۳) جبکہ لغات القرآن (صحیح) میں اسکے معنی راہ، قاعدہ، دین، دستور درج ہیں۔ (۳۴)

امام محمد بن احمد قرطبی نے شریعت کے اصطلاحی معنی یہ بیان کئے ہیں ماشرع اللہ تعالیٰ لعبادہ من الدین: شریعت سے مراد وہ احکام ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے جاری فرمائے ہیں۔ (۳۵) ابن منظور افریقی نے شرع کے اصطلاحی معنی یہ بیان کیے ہیں ماسن اللہ من الدین للعباد وامر بہ کالصوم والصلاۃ والحج والزکاۃ وسائر اعمال البر: بندوں کے لیے زندگی گزارنے کا وہ طریقہ جسے اللہ تعالیٰ نے تجویز کیا اور بندوں کو اس پر چلنے کا حکم دیا۔ جیسے نماز روزہ، زکوٰۃ، حج اور جملہ اعمال صالحہ۔ (۳۶) دستور العلماء میں شریعت کے اصطلاحی معنی یہ تحریر ہیں: (الشریع والشریعة) ما اظھرہ اللہ تعالیٰ لعبادہ من الدین حاصلہ الطریقة المعروفة الثابتة من النبی: شرع اور شریعت سے مراد دین کے وہ معاملات ہیں جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے ظاہر فرمائے اور جن کا حاصل وہ متعارف طریقہ یا ضابطہ حیات ہے جو حضور اکرم خاتم النبیین سے ثابت ہے۔ (۳۷) صاحب کشاف اصطلاحات قانون (اسلامی) لفظ شریعت کو ایک ایسی اصطلاح کے طور پر لیتے ہیں جو الہامی قوانین کیلئے مخصوص ہے (۳۸)

ابوبکر جصاص کے مطابق شرعی احکام کو شریعت اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے عاملین کو جنت کی دائمی زندگی سے نوازتی ہے۔ (۳۹) لیث کا قول ہے کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح وغیرہ کے احکام جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے بطور شریعت مقرر کیے وہ اسی لفظ سے مشتق ہیں۔ (۴۰) شریعت وہ الٰہی قانون ہے جو نبی کریم کے ذریعے انسانوں تک پہنچا ہے اس لیے شریعت کی اصطلاحی تعریف خورشید احمد نے ان الفاظ میں کی ہے القانون الالٰھی الثابت من النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم لتقویم العقائد والاعمال وتھذیب الاخلاق وتدبیر المنزل سیاست المدن: عقیدوں کی تقویم اور اعمال کی درستگی اور اخلاق کی تہذیب اور خاندانی نظام کی بہتری اور ملکی سیاست کی استواری کے لیے وہ الٰہی قانون جو نبی سے ثابت ہو۔ (۴۱)

شرع و شریعۃ کا لفظ عربی زبان میں لفظ (شارع) سے لیا گیا ہے اور شارع کے معنی اللہ عزوجل کے ہیں حکم شرع شارع (اللہ تعالیٰ) کا وہ حکم جس میں شرعی نقطہ نگاہ سے کوئی مصلحت ہو۔ دوسرے لفظوں میں علمائے اصول کے نزدیک حکم شرع وہ حکم ہے جو شارع یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے مکلف بندوں کو دیا ہو خواہ اس حکم میں کسی بات کا مطالبہ ہو یا کسی امر کا اختیار دیا جائے یا اعمال انسانی کے آداب اور طریقے ہوں۔ فقہاء نے ہمیشہ اپنے اجتہاد میں روح شریعت کا خیال رکھا اور ان کی مساعی اسی اعلیٰ نصب العین یعنی عدل حقیقی میں کارفرما ہیں۔ انسانی قوانین عدل حقیقی تک نہیں پہنچ سکے بلکہ انسان کے وضع کردہ قانون تمام مدارج طے کرنے کے بعد بھی اس بلند معیار تک نہیں پہنچ سکیں گے جو شریعت الٰہی کا طرہ امتیاز ہے۔ اس فرق کو ڈاکٹر صبحی محمصانی یوں بیان کرتے ہیں وقد **کثراستعمال کلمة القانون فی العدهالعثمانی للدلطة علی الاحکام الصادر من الدولة...............** و **کلمة الحاکم بمعنی الشارع** (۴۲) ''سلطنت عثمانیہ میں لفظ قانون اکثر ان سرکاری احکام کے لئے استعمال ہوتا تھا جنہیں حکومت جاری کرتی تھی تاکہ یہ احکام شرع حنیف کے احکام سے علیحدہ سمجھے جائیں جو شرع کے معروف دلائل پر مبنی ہیں۔ وہ فرق بالخصوص اس مسئلہ میں بالکل واضح ہو جاتا ہے جسکے متعلق حکومت کا قانون شریعت کے قانون واحکام سے متصادم ہو جیسے سود شرعاً حرام ہے لیکن قانوناً جائز ہے۔ لفظ شریعت بھی قانون کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے چنانچہ شرائع الاسلام (فقہ جعفری کی مشہور کتاب) قوانین اسلام کے معنوں میں آتا ہے ۔ اسی طرح مسلم علمائے اصول نے لفظ حکم کو قانون کے معنی میں اور لفظ حاکم کو شارع کے معنی کے لئے استعمال کیا ہے۔''

شارع حقیقی اللہ تعالیٰ ہے لیکن اس نے جو شریعت عطا فرمائی ہے وہ نبی کریم ﷺ کے واسطے سے عطا فرمائی ہے اس لیے آپ ﷺ کی حیثیت بھی شارع کی ہے۔ ''کشاف اصطلاحات الفنون القرآن،، میں لفظ شریعت کی تشریح یوں کی گئی ہے ''شریعت سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ احکام ہیں جو اس نے اپنے بندوں کیلئے مشروع ٹھہرائے ہیں اور اللہ کے نبیوں میں سے کوئی نبی انہیں لیکر آیا ہو خواہ ان کا تعلق عمل کی کیفیت سے ہو اور انہیں عملی کہا جاتا ہو جن کے لئے علم فقہ مرتب کیا گیا یا ان کا تعلق اعتقاد کی کیفیت سے ہو اور انہیں اصلی اور اعتقادی کہا جاتا ہو جن کے لئے علم کلام وجود میں آیا۔'' (۴۳) **معجم المفهرس لالفاظ القرآن** کے مطابق لفظ شریعت قرآن کریم میں پانچ جگہ آیا ہے۔ (۴۴) اب ان آیات کی مدد سے 'شریعت' کے مفہوم کا جائزہ لیتے ہیں:

۱۔ قرآن کریم میں لفظ شریعت کا استعمال عمومی انداز میں ہوا ہے۔ اسے تمام انبیاء کی شرائع کے لئے لایا گیا ہے ارشاد الٰہی ہے:

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا:

اس نے تمہارے لئے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جسکا حکم اس نے نوح علیہ اسلام کو دیا تھا اور جسے اب (اے محمد ﷺ) تمہاری طرف ہم نے وحی کی ذریعہ بھیجا ہے۔ (۴۵) اس آیت میں تمام انبیاء کی لائی ہوئی شریعتوں میں ایک ربط و تعلق ظاہر کیا جارہا ہے۔ اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے کہ تمام شریعتیں اپنے ماخذ اور بنیادی تعلیمات کے لحاظ سے ایک ہیں۔ مولانا

مودودی (۱۳۹۹ھ) بھی اس بات کی طرف اشارہ کررہے ہیں ''اس میں صاف صاف بتایا گیا ہے کہ محمد ﷺ کسی نئے مذہب کے بانی نہیں ہیں، نہ انبیاء میں سے کوئی اپنے کسی الگ مذہب کا بانی گزرا ہے بلکہ اللہ کی طرف سے ایک ہی دین ہے جسے شروع سے تمام انبیاء پیش کرتے چلے آرہے ہیں اور اسی کو آپ ﷺ نے بھی پیش کیا۔'' (۴۶) یعنی اے محمد ﷺ ہم نے تجھ کو اور نوحؑ کو ایک ہی دین کا حکم دیا تھا۔ اس آیت میں خطاب آنحضور ﷺ سے ہے اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اس حقیقت سے آگاہ فرمارہے ہیں کہ سابقہ انبیاء مرسلین اور آپ ایک ہی دین اور ایک ہی طریقہ دین کے داعی و مبلغ ہیں آپ علیہ السلام اس وصیت کو پورا کریں۔ مجاہد اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں لم یبعث اللہ نبیا قط الا و صاہ باقامۃ الصلاۃ و ایتاء الزکاۃ و الاقرار للہ بالطاعۃ، فذلک دینہ الذی شرع لھم: اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو اس حکم کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ وہ نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں اور اللہ کی اطاعت کا اقرار کریں، پس یہی ان کا دین ہے جو ان کے لئے مشروع کیا گیا۔ (۴۷) اس سے ایک انتہائی اہم نقطہ یعنی سابقہ شرائع کا عدم نسخ ثابت ہوتا ہے۔ مولانا دریا آبادی کے مطابق اس آیت میں ایک بڑے اہم مسئلہ وحدت دین کا بیان ہے آپ لکھتے ہیں ''دین اصل میں شروع سے ایک ہی رہا ہے تفصیلات شریعت (یعنی احکام واعمال) ہر دور کی مناسبت سے بدلتی رہتی ہیں لیکن نفسِ دین (یعنی عقیدہ اساسی) شروع ہی سے دین توحید ہے اور اسی کا کہنا لازمی جز مسئلہ نبوت ہے۔ حضرت نوح وہ سب سے پہلے پیغمبر ہیں جن سے باقاعدہ سلسلہ نبوت حضرت خاتم النبیین تک برابر قائم رہا۔'' (۴۸)

۲۔ قرآن کریم میں غیر اللہ کے مقرر کردہ نظام زندگی کے لئے بھی لفظ شریعت استعمال کیا گیا ہے مثلاً أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ: تو کیا انکے تجویز کیے ہوئے کچھ شریک ہیں کہ جنہوں نے ان کے لیے ایسا دین مقرر کردیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی ہے۔ (۴۹) اس آیت میں لفظ 'شرعوا' استعمال ہوا ہے جسکا معنی 'لغات القرآن' کے مطابق: انہوں نے مقرر کیا، راہ ڈالی (۵۰) اس سے مراد ایسا دین یا ضابطہ حیات ہے جو غیر اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہو۔ غیر اللہ سے مراد کوئی بھی ایسی ذات، فرد یا شخصیت ہوسکتی ہے جسکی بات کو انسان اللہ تعالیٰ کی بات پر ترجیح دے۔ موجودہ دور کی تمام تر بدعتیں رسم ورواج اور خرافات جو الٰہی دین سے ٹکرائیں اسی دین کا حصہ ہیں جو مذکورہ آیت کی رو سے انسانوں کے تجویز کردہ شرکاء نے مقرر کیا۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادی کا اس آیت کی تفسیر میں بیان بھی اسی بات کی تائید کررہا ہے آپ لکھتے ہیں ''شرک کے ساتھ ساتھ اس آیت کے اس جز میں بدعت یعنی دین میں اپنی طرف سے بات نکالنے کا بھی استحصال ہے۔'' (۵۱) مولانا ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں ''جو لوگ توحید خداوندی کے قائل نہیں اور انہوں نے شرک جیسے ناپاک اعتقاد سے اپنے قلب کو آلودہ کررکھا ہے وہ بتائیں کہ کیا انکے واسطے کچھ شرکاء ہیں کہ جو انہوں نے خدا کے ساتھ تجویز (یعنی بنائے ہوئے ہیں، مقرر کر رکھے ہیں۔) کرر کھے ہیں تو کیا ان شرکاء نے انکے واسطے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔ ظاہر ہے کہ نہ خدا کے ساتھ کوئی شریک ہے اور نہ ہی ایسا ممکن ہے کہ خدا کے سوا دوسرے معبودان کیلئے کوئی دین تجویز کرلیں جو یقیناً خدا کی اجازت سے نہیں ہوسکتا۔ اس وجہ سے ایسے مشرکین کے من گھڑت خیالات اور رسوم کو یہ کہنا کہ یہ اللہ کا دین ہے محض مہمل اور بے معنی بات ہے۔'' (۵۲)

۳۔ قرآن کریم میں شریعت کا لفظ نمودار ہونے، ظاہر ہونے اور سطح پر ابھرنے کے معنی میں بھی آیا ہے ارشاد الٰہی ہے إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا: اس وقت ان کے ہفتے کے دن مچھلیاں انکے سامنے پانی کے اوپر آئیں۔ (۵۳) اس آیت میں شرعاً کا لفظ شارع کی جمع ہے۔ اسکے لفظی معنی ہیں سطح پر نمودار ہونے والیاں۔ اس معنی کا اطلاق ہم شریعت پر اس لحاظ سے کرسکتے ہیں

کہ ہر شریعت اللہ تعالیٰ اپنے کسی نبی کے ذریعے وحی کے وسیلے سے اپنے بندوں پر ظاہر کرتا ہے اس لئے اسے ظاہر ہونے والی یعنی شریعت کہتے ہیں۔ جیسا کہ مذکورہ آیت میں یہ لفظ مچھلیوں کے پانی کی سطح پر ابھرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ اس بات کو ہم نزول شریعت کے حوالے سے ایک مثال کے طور پر لے سکتے ہیں۔ شائد اللہ تعالیٰ اس مثال سے انسان کو یہ بات سمجھا رہا ہے کہ جیسے مچھلیوں کو پردہ اخفاء سے سطح پر نمودار کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اسی طرح شریعتوں کا مقرر کرنا اور نازل کرنا بھی صرف اسی کی شان ہے کسی انسان کے بنائے گئے قاعدہ وقانون کی وہ حیثیت نہیں ہوسکتی جو الٰہی شریعتوں کی ہے۔

۴۔ دین کے معنوں میں بھی شریعت کا لفظ قرآن کریم میں مستعمل ہے ارشاد الٰہی ہے لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجاً (۵۴) ہر ایک کے لئے بنائی ہے ہم نے تم میں سے ایک شریعت اور عمل کی راہ۔ اس آیت میں لفظ شریعت کو دین کے اصول اور منہاج کو فروع کے معنوں میں لایا گیا ہے۔ عرف عام میں چونکہ وحی الٰہی کے بنیادی اصول وکلیات کو دین اور اسکی جزئیات وفروعات کو شریعت کہا جاتا ہے لہٰذا اس آیت میں شریعت سے مراد دین اور منہاج سے مراد شریعت ہونا چاہیے لیکن علماء کے درمیان اس حوالے سے کافی اختلاف ہے۔ اکثر علماء کے تفسیری اقوال اسی بات کی تائید کرتے ہیں جبکہ کچھ مفسرین شرعۃ اور منہاج کی تفسیر میں مختلف ہیں بعض نے کہا کہ شرعۃ دین اور منہاج طریق ہے اور بعض کا قول ہے کہ دونوں کے معنی طریق ہی کے ہیں اور طریق سے مراد یہاں دین ہی ہے لیکن جب لفظ مختلف ہوں تو متعدد الفاظ کو اسلئے لایا جاتا ہے کہ اس قصہ اور معاملہ کی تاکید ہوجائے۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا ہے الشرعه ما ورد به القرآن، والمنهاج ما ورد به السنة بشرعۃ وہ ہے جس کو قرآن لیکر آیا اور منہاج وہ ہے جو سنت میں وارد ہوا۔ (۵۵)

اس آیت کی تفسیر میں پیر محمد کرم شاہ کہتے ہیں ''وہ عقائد اور کلیات جن پر انسان کی نجات کا انحصار ہے وہ تو تمام آسمانی کتابوں میں یکساں ہیں لیکن شریعت کے احکام اور ان کی تفصیلات، عبادات اور ان کی شکل وصورت، حلت وحرمت کے قواعد میں اختلاف ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف انبیاء کی امتوں کی ذہنی سطح انکا مخصوص ماحول، انکے معاشرہ کے تقاضے، ان کی سیاسی اور اقتصادی ضروریات کیونکہ مختلف تھیں اس لئے ان فروعات میں اختلاف بھی ناگزیر تھا۔'' (۵۶) قرآن مجید میں لفظ 'شرعۃ' اور 'شریعۃ' دو جگہ آیا ہے سورۃ المائدہ میں لفظ شرعۃ کے ساتھ منہاج بھی آیا ہے دونوں کے لغوی معنی صاف اور سیدھی راہ بیان کیے گئے ہیں۔ مولانا مودودی (۱۳۹۹ھ) کا کہنا ہے کہ ''دراصل ساری غلط فہمی اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ اس آیت کا الٹا مطلب لیا گیا ہے کہ شریعت چونکہ امت کے لیے الگ تھی اور حکم صرف اس دین کے قائم کرنے کا دیا گیا ہے جو تمام انبیاء کے درمیان مشترک تھا اس لئے اقامت دین کے حکم میں اقامت شریعت شامل نہیں ہے حالانکہ درحقیقت اس آیت کا مطلب اس کے بالکل برعکس ہے۔ اس آیت کے سیاق و سباق کو بغور پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ آیت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جس نبی کی امت کو جو شریعت بھی اللہ تعالیٰ نے دی تھی وہ اس امت کے لیے دین تھی اور دور نبوت میں اس کی اقامت مطلوب تھی اور اب چونکہ حضرت محمد ﷺ کا دور نبوت ہے اس لئے امت محمدی ﷺ کو جو شریعت دی گئی ہے وہ اس دور کے لیے دین ہے اور اسکا قائم کرنا ہی دین کا قائم کرنا ہے۔'' (۵۷)

مولانا مودودی (۱۳۹۹ھ) کے اس کلام سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آپ کے نزدیک ہر نبی کی شریعت ہی اصل میں اس

کا دین ہے اور اللہ تعالیٰ کے قیامِ دین کی ہدایت فرمانے سے مراد ہر نبی کو اس کی شریعت کے قیام کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ جبکہ ہمارے نزدیک تمام انبیاء کی اصولی و بنیادی تعلیمات ایک رہی ہیں انہیں کے قائم کرنے کو اللہ تعالیٰ نے دین کے قیام سے منسوب کیا ہے۔ اور شرائع چونکہ چند ایک احکام میں باہم مختلف ہونے کی بناء پر اس نبی اور اس قوم تک محدود ہیں جن پر نازل ہوئیں لہٰذا ہر نبی کو اپنی شریعت پر عمل کرنے کا حکم ہے۔ کوئی نبی اپنے سے قبل کسی شریعت کا اس لحاظ سے پابند نہیں ہے کہ اپنی شریعت کو چھوڑ کر اس کا حکم کرے سوائے اس کے کہ کہیں کسی معاملہ میں اشتراکِ علت ہو یا کوئی ایسا معاملہ آجائے جس کے بارے میں موجودہ شریعت میں ابھی کوئی حکم نہ آیا ہو۔ جیسا کہ دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جب رجم کا معاملہ آیا تو آخری شریعت میں اس حوالے سے کوئی حکم نہ ہونے کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سابقہ شرائع کی طرف رجوع کیا۔

مولانا دریا آبادی لکھتے ہیں کہ ''اس آیت میں خطاب عام ہے نوع انسان بھی مراد ہوسکتی ہے اور اہل کتاب بھی۔ شریعت ہر نبی کی لائی ہوئی تعلیم یا کتاب ہے اور منہاج اس پیغمبر کا تعامل یا سنت ہے گویا یہ بتا دیا کہ کتاب وسنت کی دوگونہ نعمت قدیم موحد قوموں کے حصے میں بھی ودیعت رہی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ 'شرعۃ' سے مراد مطلق شریعت ہے اور 'منہاج' سے مراد کمالات شریعت۔''(۵۸) مولانا عبدالماجد دریا آبادی کی بیان کردہ شریعت کی تعریف یعنی ہر نبی کی لائی ہوئی تعلیم یا کتاب شریعت کہلاتی ہے سابقہ مباحث میں بیان کردہ شریعت کی تعریف کے مطابق ہے جبکہ منہاج کی تعریف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہر نبی کی سنت ہے یعنی آپ کے مطابق ہر نبی پر نازل ہونے والے الٰہی احکام شریعت ہیں جبکہ ہر نبی کا جو عمل ہے جو طریقہ کار ہے وہ منہاج ہے۔

۵۔ قرآن کریم میں شریعت کا لفظ واضح اور کھلے راستے کے معنوں میں بھی آیا ہے ارشاد الٰہی ہے ثُمَّ جَعَلْنَاکَ عَلٰی شَرِیْعَۃٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا: پھر ہم نے تمہیں (دین کے) کھلے راستے پر قائم کر دیا تو اسی کی اتباع کرتے رہو۔(۵۹) اس آیت میں شریعت سے مراد کھلا راستہ ہے یعنی ایسا راستہ جس پر چل کر انسان کامیابی و کامرانی حاصل کرسکتا ہے۔ ایسا راستہ ظاہر ہے صرف دین کا ہی ہوسکتا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ خاص طور پر آخری امت یعنی امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے مخاطب ہیں۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے کھلے راستے سے مراد آخری شریعت ہے جس کی پیروی کرنے کی اس امت کو تاکید کی جا رہی ہے۔ اسی حقیقت کو مولانا مودودی (۱۳۹۹ھ) ان الفاظ میں بیان کر رہے ہیں ''بنی اسرائیل پر جو عنایات کی گئی تھیں اور انہوں نے باہمی حسد و بغض سے جس طرح اپنے آپ کو مختلف دھڑوں میں تقسیم کر کے اپنی افادیت کھو دی تھی اور اب وہ اس قابل نہ رہے تھے کہ دعوت حق کے منصب پر متمکن رہیں۔ ان کے حالات بیان کرنے کے بعد روئے سخن اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے یعنی ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دین کے معاملہ میں ایک واضح شریعت عطا فرما دی ہے جس میں کسی قسم کا نقص نہیں۔ دین و دنیا کی تمام ضرورتوں کو پورا کرنے والی ہے اور اس پر عمل کرنے والا فرد یا امت فلاح دارین کے شرف سے مشرف ہوگا۔''(۶۰)

مذکورہ آیت میں لفظ شریعت سے مراد ایسا ضابطہ الٰہی ہے جس پر چل کر آدمی اپنی زندگی کو صحیح معنوں میں کامیاب بنا سکتا

ہے۔ یہاں پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ مسلمانوں نے اپنے قانونی لٹریچر میں شریعت کا لفظ استعمال کیا ہے اس سے مقصد اس امر کا اظہار تھا کہ شریعت کا بنیادی مآخذ وحی ہے ریاست نہیں۔ ہر چند کہ فقہاء نے لفظ قانون کی بجائے شریعت استعمال کیا ہے یا شرعی احکام کی اصطلاح آئی ہے لیکن عثمانی دور میں قانون کا استعمال عام ہو گیا اس سے مراد وہ احکامات ہوتے تھے جنہیں بادشاہ انتظامی معاملات کی اصلاح کے لئے جاری کرتا تھا۔ آجکل جامعۃ الازہر میں شریعت کالج کو ''کلیۃ الشریعۃ وقانون'' کہا جاتا ہے جن سے مراد یہ ہے کہ شریعت اور قانون جسکا سرچشمہ ریاست ہے دونوں سوسائٹی کے لئے ضروری ہیں۔

احادیث مبارکہ میں بھی لفظ شریعت انہی معنوں میں آیا ہے جو آیات قرآنیہ میں مراد ہیں یعنی ضابطہ، قانون، طریقہ وغیرہ۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے ان اعرابیا جاء الی رسول اللہ ثائر الراس فقال: یا رسول اللہ اخبرنی ماذا فرض اللہ علی ......فاخبرہ رسول اللہ بشرائع الاسلام۔ فقال: والذی اکرمک لا اتطوع شیئا، ولا انقص مما فرض اللہ علی شیئا ,فقال رسول اللہ: افلح ان صدق (۶۱) بے شک ایک دیہاتی پراگندہ حالت میں بکھرے ہوئے بالوں کیساتھ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: کہ اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے بتایئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کیا فرض کیا ہے۔۔۔۔۔۔تو اللہ کے نبی ﷺ نے اسکو اسلام کے احکامات کے متعلق بتایا۔ پھر اس نے کہا کہ قسم ہے مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو تکریم بخشی کہ میں اللہ تعالیٰ کے فرض کیے ہوئے احکامات میں نہ کچھ کمی کروں گا اور نہ ہی زیادتی تو رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر اس نے سچ کہا تو یہ کامیاب ہو گیا۔ ایک اور حدیث ہے من سرہ ان یلقی اللہ تعالیٰ غدًا مسلماً فلیحافظ.....فان اللہ شرع لنبیکم سنن الھدی.....: جو شخص چاہتا ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کو کل مسلمان کی حالت میں ملے تو پس اسکو چاہیے کہ وہ اسکی حفاظت کرے۔۔ پس بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کے لیے ہدایت کے راستے ظاہر کردیئے ہیں۔ (۶۲)

دین وشریعت کی مذکورہ بالا تعریفات ومفاہیم کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ دین کے اصول وکلیات کی توحید کو ملحوظ رکھتے ہوئے حالات وزمانہ کی رعایت سے دیئے گئے تفصیلی احکام شریعت کہلاتے ہیں جیسے شریعت موسیٰ اور شریعت محمد ﷺ۔ مفردات القرآن میں دین اور شریعت کے فرق کی توضیح یوں کی گئی ہے کہ والدین یقال للطاعۃ والجزاء واستعیر للشریعۃ، والدین کالملۃ لکنہ یقال اعتباراً بالطاعۃ والانقیاد للشریعۃ: دین سے مراد اطاعت وجزا جبکہ شریعت ان اوامر واحکام کا نام ہے جو کسی ملت کو دیئے گئے ہوں اور انہیں ان کی اتباع کرنے اور ان پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہو۔ (۶۳) اللہ تعالیٰ نے حکمت ومصلحت کے تحت ہر زمانہ اور ہر امت کے احوال اور استعداد کے مطابق انبیاء کرام کو ہدایتیں عطا فرمائیں۔ مگر اصول دین اور مقاصد کلیہ جن پر نجات ابدی کا دارومدار ہے اور جس کو اللہ نے ایک مقام پر لفظ ''دین'' سے تعبیر فرمایا ہے ارشاد الٰہی ہے أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ: یہ کہ دین قائم رکھو اور اس میں پھوٹ (فرق، اختلاف) نہ ڈالو۔ (۶۴) آپ ﷺ نے فرمایا والانبیاء اخوۃ لعلاتٍ، امھاتھم شتی ودینھم واحد (۶۵) اور تمام پیغمبر علاتی بھائی ہیں جن کا باپ (یعنی دین) ایک ہے اور مائیں (شریعتیں) مختلف ہیں۔ یوں تو اصطلاح میں دین، شریعت اور ملت میں سے ہر ایک کا مفہوم مختلف ہے لیکن دیکھا جائے تو ایک لحاظ سے ان کا مفہوم ایک ہی ہے یعنی ان سے مراد وہ احکام ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مکلف بنایا ہے ان احکام کو ساخت اور بیان کے اعتبار سے شریعت کہا جاتا ہے واجب التعمیل ہونے کے لحاظ سے ان کو دین کہا جاتا ہے اور ملت جملہ احکام وقوانین کا مجموعی نام ہے۔

اجتماعی زندگی کے نظم ونسق کو برقرار رکھنے کے لیے انسان نے جو اپنے مزاج میں اجتماعی واقع ہوا ہے آغاز تمدن ہی سے

قانون کا سہارا لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قانون کسی نہ کسی شکل میں اجتماعی زندگی کا ترجمان رہا ہے۔ اسلام نے بھی مسلم معاشرے کی تنظیم کے لیے شریعت کے نام سے ایک مقدس قانون دیا ہے جس کا تعلق انسان کی اجتماعی زندگی سے بھی ہے۔ قرآن مجید میں لفظ دین کے ساتھ ساتھ شریعت کا لفظ بھی آیا ہے کیا یہ دونوں لفظ یعنی دین وشریعت مترادف ہیں یا ان میں کوئی فرق ہے؟ اہل علم کی رائے میں دین کا تعلق زندگی کے بنیادی مسائل سے ہے مثلاً میں کون ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں؟ کائنات میں میرا کیا مقام ہے؟ ان مسائل کے جواب میں دین نے کائنات کی سب سے بڑی حقیقت خدا کا پتہ دیا۔ اسی طرح دین نے اس حقیقت کا بھی اعلان کیا کہ انسانی زندگی موت کی منزل سے گزر کر ایک نئی شکل میں نمودار ہوگی چنانچہ دین نے خدا اور فطرت سے انسان، کے رشتوں کو بیان کیا اس لئے کہا گیا کہ خدا، رسالت اور حیات بعد الموت کا تعلق دین سے ہے۔

یا یوں کہیئے کہ دین کا تعلق مابعد الطبیعیات سے ہے اور شریعت کا تعلق انسان کی اجتماعی زندگی سے جس طرح زندگی کے بنیادی مسائل کا جواب دین نے وحی کی روشنی میں دیا ہے اسی طرح شریعت کا ایک بنیادی مآخذ بھی وحی ہے چنانچہ ان دونوں لفظوں کو مترادف قرار دینا مشکل ہے بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ لفظ دین کے مفہوم میں عمومیت ہے اور شریعت میں تخصیص۔ دین کے مفہوم میں شریعت اس حیثیت سے داخل ہے کہ شریعت پر عمل کرنیوالا دراصل اللہ کی رضا کا طلب گار ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ تمام انبیاء نے ایک ہی دین کی دعوت دی ہے البتہ شریعتیں اختلاف زمان ومکان سے متعدد رہی ہیں۔ یہی رائے حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے (شرعة ومنهاجا) سنة وسبيلاً ومعنى الاية انه جعل التوراة لاهلها، والانجيل لاهله، والقرآن لاهله، وهذافي الشرائع والعبادات، والاصل التوحيدلا اختلاف فيه: یعنی سنت اور راستہ اور اس آیت سے مراد یہ ہے کہ بے شک تورات اہل تورات کے لئے ہے اور انجیل اہل انجیل کے لئے ہے اور قرآن اہل قرآن کے لئے ہے اور یہ (اختلاف) شریعتیں (یعنی الگ الگ راستے) اور عبادات ہیں اور ان سب کی اصل توحید ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں۔ (٦٦)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ آیت میں شریعت سے مراد سنت جبکہ منہاج سے مراد راستہ ہے۔ اس کی مزید وضاحت وہ اسطرح کرتے ہیں کہ جو کتاب اور جو شریعت جس نبی، جس امت اور جس زمانہ میں نازل ہوئی وہ صرف انہیں کے لئے قابلِ عمل ہے۔ یعنی تورات اس امت کے لئے مخصوص ہے جس پر نازل ہوئی اور انجیل اپنے مخاطبین کے لئے جبکہ قرآن امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تشریعی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے مذکورہ قول سے (تورات اہل تورات کے لئے اور انجیل اہل انجیل کے لئے اور قرآن اہل قرآن کے لئے) شرائع کے مخصوص بالزمان ہونے کی دلیل ملتی ہے۔ اس بات کی بھی تائید ہوتی ہے کہ ہر نئی شریعت اپنے سے قبل کی ناسخ ہے۔ ظاہر ہے جب نئی شریعت آنے سے سابقہ پر عمل درآمد لازم نہیں رہا تو اس کی حیثیت منسوخ کی ٹھہری۔ اس بات کی بھی تائید ہو جاتی ہے کہ دین کی بنیادی تعلیمات ہمیشہ سے ایک رہی ہیں ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اختلاف صرف شرائع میں رہا ہے۔

لفظ شریعت یا شریعت اسلامیہ جب دنیا کے مروج قوانین کے مقابلے میں مستعمل ہو تو اس سے مراد وہ تمام احکام ہوتے ہیں جن پر دین اسلام مشتمل ہے اور جو فقہ اسلامی کے ماخذ اربعہ یعنی کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع امت اور قیاس کی بنیاد پر قائم،

مشتمل ہیں۔'الاحکام فی اصول الاحکام' میں علم الفقہ کی تعریف اور موضوع کا تعین کرتے ہوئے اسی رائے کی طرف میلان نظر آتا ہے یعنی **الفقہ مخصوص بعلم الحاصل بجملۃ من الاحکام الشریعۃ الفروعیۃ بالنظر و الاستدلال**: فقہ مخصوص ہے اس علم کے لئے جو شریعت کے تمام فروعی احکام، آراء واستدلال پر مشتمل ہو۔(۶۷) اسلامی شریعت ان احکام پر مشتمل ہے جن کا تعلق عقیدہ، اخلاق، عبادات یا معاملات سے ہو لیکن فقہ اسلامی میں صرف ان احکام سے بحث کی جاتی ہے جن کا تعلق عمل سے ہو یعنی فقہ کا موضوع عبادات اور معاملات ہیں۔اس بناء پر فقہ صرف عملی احکام پر مشتمل ہے۔

امام شافعی (۲۰۴ھ) نے فقہ کی تعریف یہ کی ہے: **العلم بالاحکام الشرعیۃ العملیۃ المکتسبۃ من ادلتھا التفصیلیۃ**: فقہ شریعت کے عملی احکام کا وہ علم ہے جو تفصیلی دلائل شریعہ سے حاصل کیا جائے۔(۶۸) امام وہبہ الذحیلی فقہ کی تعریف پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں'' 'عملی احکام' کے الفاظ سے شخصیات، صفات اور افعال کا علم فقہ کی تعریف سے خارج ہو گیا الاحکام الشرعیہ (شریعت کے عملی احکام) میں شرعیہ کا لفظ شرع سے ماخوذ ہے اسکے ذریعے حسی، عقلی، لغوی اور وضعی احکام فقہ کی تعریف سے خارج ہو گئے۔''(۶۹) مجلۃ الاحکام العدلیہ کی پہلی دفعہ میں فقہ کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے کہ **الشرعیۃ العملیۃ و المسائل الفقھیۃ اماان تتعلق بامر الآخرۃ وھی العبادات واماان تتعلق بامر الدنیا وھی تنقسم الی مناکحات ومعاملات وعقوبات**: شریعت کے وہ عملی اور فقہی مسائل جن کا تعلق آخرت سے ہے یہ عبادات ہیں اور وہ امور جن کا تعلق دنیا سے ہے (جن میں) اخلاقیات ومعاملات اور عقوبات شامل ہیں۔(۷۰)

شریعت قرآن مجید اور سنت نبوی ﷺ کی شکل میں نازل شدہ احکام کو کہتے ہیں۔یہ وحی پر قائم ہے یہ تشریع دینی ہے یعنی یہ قانون اللہ کی طرف سے دیا ہوا ہے اس میں انسانی رائے کی کوئی گنجائش نہیں اور اس کی مخالفت بھی حرام ہے لیکن فقہ اسلامی کی یہ صورت نہیں ہے یہ انسانی فکر، رائے اور اجتہاد کے نتیجہ میں وجود میں آیا ہے۔شریعت سے مراد دین کی ہر وہ بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے بطور دین مشروع قرار دی ہو خواہ وہ قرآن مجید کے ذریعے مشروع قرار دی گئی ہو یا سنت رسول ﷺ کے ذریعے چنانچہ شریعت دین کے تمام اصولوں پر مشتمل ہے۔اسی طرح شریعت میں اللہ تعالیٰ کے وہ تمام احکام بھی شامل ہیں جو ہمارے اعمال سے تعلق رکھتے ہیں یعنی حرام، حلال، مکروہ، مندوب اور مباح وغیرہ۔یہ تمام وہ چیزیں ہیں جنہیں فقہ کا نام دیا جاتا ہے۔اسلامی شریعت (جس کی ایک بڑی شاخ اسلامی فقہ ہے) ہر دور اور ہر مقام کے لئے موزوں ہے۔یہ ایک ایسا صحیح مسلمہ نظریہ ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔تمام مسلمان اس نظریہ سے دلی وابستگی رکھتے ہیں اور انہیں اسکا حق ہے۔ہمارا فرض ہے کہ ہم اس نظریے کی صحت کو دنیا کے سامنے واضح کریں کیونکہ یہ ہمارے دینی عقیدہ کا جزو بن چکا ہے۔ہمیں چاہیے کہ ہم دلیل اور برہان کے ساتھ اسے مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے کے لئے پوری جدوجہد کریں۔

شریعت کی اصطلاحی تعریف گزر چکی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ صاحب شریعت رسول ہوتا ہے نہ کہ امام یا مجتہد۔دوسرے لفظوں میں اصطلاحاً شریعت موسوی اور شریعت محمدیہ ﷺ وغیرہ تو کہہ سکتے ہیں لیکن شریعت حنفی یا مالکی یا حنبلی وشافعی نہیں کہہ سکتے۔ فقہ کی اصطلاحی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ وہ علم جس کا تعلق ایسے امور سے ہو جو عملی ہوں فروعی ہوں اور شریعت کی طرف منسوب اور اس سے ماخوذ ہوں۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ شریعت اور فقہ میں بہت فرق ہے۔لیکن عوامی استعمال کی رو سے ان دونوں کو مترادف یعنی ایک ہی مفہوم خیال کیا جاتا ہے۔اس بناء پر جب شریعت اسلامیہ کے مآخذ کا فقرہ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد اصطلاح شریعت کا عوامی مفہوم یعنی فقہ کے مآخذ ہوتے ہیں۔

مذکورہ بحث کی روشنی میں لفظ 'شریعت' کا سادہ اور عام فہم مفہوم ہوگا طریقہ، راستہ، قانون، احکامات الٰہی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کیلئے مقرر کردہ مکمل وجامع نظام زندگی۔ قرآن کریم میں اکثر مقامات پر یہ لفظ تخصیص کے ساتھ آیا ہے یعنی اس سے مراد ایسا ضابطہ حیات ہے جو اللہ کی طرف سے نازل کردہ ومقرر کردہ ہو۔ بہت کم مقامات پر بغیر تخصیص کے آیا ہے لیکن وہاں پر بھی مراد یہی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ یہ لفظ 'شریعت'، خالصتاً ایک دینی اصطلاح ہے جو صرف الٰہی قوانین کیلئے ہی استعمال ہو سکتی ہے وضعی قانون کیلئے اسکا استعمال غلط ہوگا۔ اس لحاظ سے ابن منظور افریقی کی بیان کردہ شریعت کی اصطلاحی تعریف جامع ترین ہے جس کی تائید لیث کے قول سے بھی ہوتی ہے انکے مطابق بندوں کیلئے زندگی گزارنے کا وہ طریقہ جسے اللہ تعالیٰ نے تجویز کیا اور بندوں کو اس پر چلنے کا حکم دیں جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور اعمال صالحہ۔ (عرف عام میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ محض عبادات تصور کی جاتی ہیں جنکا تعلق انسان کی ذاتی زندگی سے ہے اور جنکے بارے میں قانونی لحاظ سے کوئی باز پرس نہیں کی جاسکتی۔ قانون کا یہ محدود تصور اصل میں غیر الہامی مذاہب کا ہے جہاں مذہب وعبادت بندوں کے ذاتی معاملات ہیں جن میں خود وہ مذہب اور اس مذہب کا قانون بھی مداخلت نہیں کرسکتا جس پر وہ کاربند ہونے کے دعویدار ہیں۔)

دین کی حدود ودائرہ کار: دین انسان کے اندر ہر پہلو اور ہر لحاظ سے داخل ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی بھی معاملہ چاہے وہ ظاہری ہو یا باطنی، انفرادی ہو یا اجتماعی، اخلاقی ہو یا کاروباری دین کے دائرہ کار سے باہر نہیں۔ دین ایک ایسی اصطلاح ہے کہ جس کی حدود کا اندازہ لگانا ممکن نہیں، اس کائنات کا تمام نظام عمومی لحاظ سے جبکہ نسل آدم کا مکمل نظام خصوصی لحاظ سے دین کی حدود میں داخل ہے۔ انسان کی نجی زندگی سے لیکر اجتماعی، معاشرتی، قومی وبین الاقوامی زندگی کے تمام معاملات تک دین کو رسائی حاصل ہے۔ دن اور رات کا کوئی لمحہ ایسا نہیں جس کے بارے میں دین ہمیں رہنمائی نہ دیتا ہو۔ گھر سے لیکر مسجد اور بازار تک اور باہمی لین دین وتجارت تک اور میدان جنگ سے لیکر امن اور صلح کے معاملات تک دین نے ہماری ہدایت اور اصلاح کی ہے اور کہیں ایک لمحہ کے لیے بھی ہمیں بے یارومددگار نہیں چھوڑا۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم لین دین کرتے ہوئے اور شادی بیاہ اور دیگر دنیاوی رسوم ورواج کی ادائیگی کے وقت دین سے بالکل بے گانہ اور لاتعلق ہوجاتے ہیں اور ہمیں مطلق خیال نہیں رہتا کہ اس بارے دین کی کیا ہدایات ہیں۔ جس طرح دین کی اصطلاح انتہائی وسیع اور لامحدود ہے اسی طرح اسکی دائرہ کار اور حدود کا تعین بھی ایک انتہائی طویل موضوع ہے۔ چونکہ دین کا براہ راست موضوع اور مخاطب نوع انسان ہے۔ لہٰذا ہم انسانی زندگی کے تین ایسے شعبوں کا انتخاب کرتے ہیں جن سے دین براہ راست بحث کرتے ہے اور جو حیاتِ آدم کے باقی تمام شعبوں اور معاملات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں اور وہ یہ ہیں:

ا۔ انفرادی سطح پر دین کا کردار: دین کا تعلق زندگی کے بنیادی مسائل سے ہے مثلاً میں کون ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں؟ کائنات میں میرا کیا مقام ہے؟ ان مسائل کے جواب میں دین نے کائنات کی سب سے بڑی حقیقت خدا کا پتہ دیا ہے اسی طرح دین نے اس حقیقت کا بھی اعلان کیا ہے کہ انسان کا خدا اور فطرت سے ایک بہت گہرا رشتہ ہے۔ دین نے زندگی کے بنیادی مسائل کا جواب وحی کی روشنی میں دیا ہے۔ اس لحاظ سے وحی بھی اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ انسانی زندگی۔ انسان اور وحی کی یہ قدامت ان دونوں کے باہمی تعلق کو مضبوط بناتی ہے یعنی وحی دین کی بنیاد ہے اور دین انسانی زندگی کے سوالوں کا جواب اسکے ساتھ ہی انسان اور وحی کی یہ قدامت اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی اسکی ہدایت کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا تھا وحی (دین) اور حاملین وحی (انبیاء) نے انسان کو ہر موقع پر اصلاح فرمائی۔ یہی قدامت ہمیں دین کی حدود اور اسکے دائرہ کار کا پتہ دیتی ہے۔ جیسا کہ شعر ہے کہ۔

کچھ نہ تھا تو خدا تھا
کچھ نہ ہوگا تو خدا ہوگا

دین نے ہمیشہ ہر دور میں خود کو ایک مجرد حقیقت کے طور پر قائم رکھا ہے کہ اور اس حیثیت سے منوایا ہے اور خود کو بھی انفرادی و اجتماعی یا سرکاری و غیر سرکاری کے خانوں میں تقسیم نہیں کیا اور نہ کبھی اپنے پیروکاروں سے یہ مطالبہ کی ہے کہ اسے ایک نئے دین کے طور پر مان لیں بلکہ ہمیشہ ہر دور میں ایک خدا کا تصور دیا۔ تفریق بین الرسل سے منع کیا۔ تمام الہامی کتب کی تصدیق کی البتہ جہاں وحی اور حاملین وحی کو بدعقیدگی کی بنیاد پر انسانوں کے ہاتھوں ذلیل و رسوا ہوتے دیکھا وہاں انکے تحفظ اور انسانوں کی اصلاح کے لیے اقدامات کیے۔

دین کی حدود انسان کے ظاہری افعال تک ہی نہیں بلکہ اسکے دل اور روح تک پھیلی ہوئی ہیں ن۔ دین انسان کے اندر داخل ہو کر اسکی سوچ اور فکر اور عقیدہ کی تطہیر و تعمیر کرتا ہے۔ اسکے باطن کو غیر اللہ کی پرستش اور کثیر التعداد خداؤں اور تثلیث اور ثنویت وغیرہ جیسی شرکیہ آلائشوں سے پاک و صاف کر کے خدائے واحد کی بندگی کے قابل بناتا ہے۔ تمام الہامی کتب کی تصدیق کر کے اور ان پر ایمان کی تاکید کے ذریعے انسان کے اندر یہ شعور پختہ کرتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ شرک سے پاک ہے اس طرح اسکا کلام بھی اختلاف اور تفریق سے مبرا ہے اور جس طرح شیطانی ذہنیت والے انسانوں کی اختراع ہے اسی طرح وحی الٰہی میں تحریف اور ردوبدل بھی دراصل ایسے ہی لوگوں کا کام ہے۔ دین نے نہ صرف وحی کی حفاظت فرمائی بلکہ حاملین وحی کے دفاع کے پہلو کو بھی مدنظر رکھا اس حوالے سے تمام انبیائے کرام پر ایمان لانے کا تصور دیا اور تفریق بین الرسل سے منع کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دین ایک فرد کی ظاہری و باطنی ہر لحاظ سے ہدایت اور اصلاح کرتا ہے اور انفرادی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو دین کی حدود اور اس کے دائرہ کار سے خارج ہو۔

۲۔ اجتماعی معاملات سے دین کا تعلق: دین صرف انفرادی زندگیوں تک ہی محدود نہیں دراصل انسانی زندگی کا یہ پہلو اجتماعی لحاظ سے لوگوں کو دین کے دائرہ میں ڈھالنے کے لیے مقصود ہے۔ کیونکہ فرد ہی اجتماعیت کی بنیادی اکائی ہے۔ دین کی حدود اتنی ہی وسیع ہیں جتنی انسانی زندگی کے مسائل و معاملات وسیع ہیں۔ ہر انسان کو اپنی بنیادی ضروریات کے لیے اپنے اردگرد کے دوسرے انسانوں سے تعلق رکھنا پڑتا ہے۔ یہ تعلق گھر اور محلے سے لیکر شہر ملک اور بین الممالک تک پھیلے ہوئے ہیں۔ تعلقات کی ان وسعتوں میں یقین، امن اور عدل و انصاف کے رنگ بھرنے کے لیے ہر ہر مرحلے پر ہمیں دین کی ضرورت پڑتی ہے۔

اجتماعی سطح پر انسانوں کے باہمی تعلقات کی اصلاح کے لیے دین نے مکمل اجتماعی نظام دیا۔ انسانوں رشتوں اور تعلقات کی نذاکت و حساسیت اور حیثیت کے پیش نظر انہیں مختلف قسموں میں تقسیم کیا اور ہر تعلق اور تعلق دار کے اسکی اہمیت اور مقام و مرتبہ کے لحاظ سے حقوق مقرر کیے اور ان حقوق کی ادائیگی کے لیے اصول و ضوابطہ کا مکمل ڈھانچہ دیا۔ اجتماعی زندگی کی پہلی منظم شکل گھر ہے۔ جہاں ایک ہی وقت میں کئی افراد موجود ہوتے ہیں والدین، اولاد، بہن بھائی، میاں بیوی، دادا دادی، وغیرہ دین ان تمام رشتوں کی حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر رشتے کے لیے الگ الگ قابل احترام اور قابل عمل ہدایات دیتا ہے۔ جیسے والدین کے لیئے لازم کر دیا کہ وہ اولاد کی اچھی تربیت کریں ان کی تعلیم، کھانا پینا، اوڑھنا پہننا، ہر چیز کا خیال رکھیں اولاد کو حکم دیا کہ وہ والدین کے سامنے اف تک نہ کہیں۔ اونچی آواز میں بات نہ کریں ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں، بیوی کے لیے لازم کر دیا کہ وہ شوہر سے خیانت نہ کرے شوہر کو تاکید کی بیوی کی حق تلفی نہ کرے اس طرح باقی تمام رشتوں کے حقوق اور ادب و احترام کا لحاظ رکھا۔ گھریلو زندگی اور تعلقات کو تحفظ دینے کے بعد دین نے گھر سے باہر کی زندگی کی حفاظت کی طرف توجہ مبذول کی جہاں ہمسایوں، محلے داروں اور

شہریوں کے تعلقات کی اصلاح طلب ہے۔

ایک دین جب بھی کسی انسانی معاشرے، ملک یا خطے میں داخل ہوتا ہے تو بجائے اس کے ظاہری رسوم ورواج اور خدوخال میں مداخلت کرنے کے اس کے فکری افکار وعقائد پر گرفت مضبوط کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ لوگ اس سے دور بھاگنے اور ناپسند کرنے کی بجائے اپنے معاملات کے اندر پائی جانے والی خرابیوں کی خود ہی اصلاح کریں اور اپنی ظاہریت پر قائم رہتے ہوئے اپنے بنیادی وافکار وعقائد کو دین کے مطابق ڈھال لیں۔ مولانا رشید احمد جالندھری اس کی بڑی خوبصورت مثال پیش کرتے ہیں وہ کہتے ہیں:

اسلام (دین) اگر چین میں داخل ہوتا ہے تو وہاں کے چائنیز کھانوں کو ہٹا کر عربی کھانے متعارف کرانے کی کوشش نہیں کرے گا۔ بلکہ کھانوں کے حوالے سے صرف حلال اور حرام کی شرائط کے اطلاق کی بات کرے گا۔ اس طرح سے چائنیز کھانے حلال اور حرام کی شرائط کے اطلاق کے بعد من وعن اپنی اصلی حالت میں برقرار رہیں گے۔ مزید برآں اگر اسلام (دین) یورپ میں داخل ہوتا ہے تو وہاں کے لوگوں کو پینٹ شرٹ چھوڑ کر شلوار یا عبایہ پہننے پر مجبور نہیں کرے گا بلکہ وہاں کے لباس یعنی پینٹ اور شرٹ کو اسلامی ستر کی چند بنیادی شرائط کے مطابق لانے کی بات کرے گا اور بس۔ (۷۱)

ہر وہ چیز جس سے معاشرے میں عدل وانصاف کے قیام میں مدد ملتی ہے اسے دین ہی کا حصہ شمار کیا جائیگا۔ چنانچہ شرعی احکام سے وابستہ حکمت کا ادراک کرنا اور پھر اس کی روشنی میں قدم اٹھانا اسلامی شریعت کا منشاء ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک بار اپنے ساتھیوں کے ہمراہ جا رہے تھے کہ راہ میں چند تاتاریوں کو شراب پیتے دیکھا آپ کے ساتھیوں نے انہیں روکنا چاہا لیکن ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) نے انہیں منع کر دیا یہ کہتے ہوئے کہ ''اگرچہ شراب ممنوع ہے اس لئے کہ یہ انسان کو ذکر اللہ سے روکتی ہے لیکن یہی شراب ان وحشی تاتاریوں کو مخلوق خدا کے قتل، لوٹ مار اور زمین پر فساد پھیلانے سے روکے ہوئے ہے لہٰذا انہیں انکے حال پر چھوڑ دو۔'' (۷۲)

اجتماعی نقطہ نظر سے دین کی حدود اور دائرہ کار اس قدر وسیع ہیں کہ اجتماعیت کی تشکیل، قیام اور اسکے استحکام کے لیے تمام انسانی اختلافات کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ دین کو اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ اسکے دائرہ کار میں آنے والے کونسی زبان بولتے ہیں، کس رنگ کے ہیں کس نسل اور کس علاقے سے تعلق رکھتے ہیں اور نہ ہی اس سے کوئی سروکار ہے کہ ان کا ماضی کیا ہے؟ انکی تاریخ کیا ہے؟ دین اصل میں انسانوں کی تقسیم در تقسیم کے خلاف ہے ہمیشہ اس بات کا خواہاں رہا ہے کہ اپنے دائرہ میں آنے والوں کو یکجا کر کے ایک دوسرے کے قریب لا کر ایک ایسی جماعت وجود میں لائی جائے جس کے تمام افراد اس دین کو ضابطہ حیات کے طور پر اپنائیں۔ جہاں اس جماعت کی اکثریت ہو وہاں ایک معاشرہ اور بالآخر ریاست کے قیام کو یقینی عمل بنائیں۔ قیام پاکستان دین کی ایک ایسی ہی متحد جماعت کی عملی کوششوں کا واضح نمونہ ہے۔ اگرچہ اس وقت پاکستان کے اندر نسلی ولسانی اختلافات اور ان کی بنیاد پر گروہ بندی عروج پر ہے۔

۳۔ دین ایک مکمل دنیاوی واخروی نظام حیات:

دین کا اولین بنیادی حصہ ایمانیات ہیں جن میں اہم ترین توحید، رسالت، آخرت اور حیات بعد الموت اہم ترین ہیں۔ عام طور پر اکثر محض انہی کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے لیکن میرے نزدیک ایمانیات میں ایک انتہائی اہم حصہ تقدیر پر ایمان ہے یہ ایک ایسا جز ایمان ہے جو ہماری دنیا اور آخرت کے درمیان ایک تعلق پیدا کرتا ہے۔ لفظ دین دنیا اور آخرت دونوں کے اصلاحی نظام کا نام ہے۔ جس طرح زندگی اور موت لازم وملزوم ہے۔ اسی طرح دنیا اور آخرت بھی لازم وملزم ہیں لہذا جس طرح دین دنیاوی زندگی کے لیے مکمل نظام ہے اسی طرح اخروی حیات کے لیے بھی ہدایت نامہ ہے۔ ہم دین کو دنیا اور آخرت میں سے کسی ایک کے ساتھ خاص نہیں

کرسکتے بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ دین کے دو حصے ہیں ایک کا نام دنیا ہے اور دوسرے کا نام آخرت۔ دین کل ہے اور دنیا و آخرت اس کے دو اجزاء ہیں لہٰذا "دین اور دنیا" کہنا ایک بہت بڑا مغالطہ ہے۔ لہذا جس شخص نے دین کو فقط دنیا پر حاوی قرار دیا اس نے دین کے ایک بازو کو کاٹ کر الگ کر دیا اور جس نے دین کو فقط آخرت کے ساتھ منسوب کیا اس نے بھی دین کے ایک حصہ کو حذف کر دیا۔ کیونکہ وحی الٰہی میں جس طرح دین کا لفظ دنیا کے لیے استعمال ہوا ہے اسی طرح آخرت کے لیے بھی لایا گیا ہے ارشاد الٰہی ہے مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ "بدلے کے دن کا مالک" (۴۷) یہ ارشاد باری تعالیٰ دنیا اور آخرت کے تعلق کے حوالے سے جامع ترین ہے۔ جس طرح ہمارے دنیاوی معاملات و مشاغل نجی سطح سے لیکر بین الاقوامی سطح تک ایک دوسرے سے متصل مربوط ہیں ہر ایک دوسرے کے لیے بنیاد فراہم کرتا ہے گھر معاشرے کے لیے اور معاشرہ ملک کے لیے کارآمد و پائیدار ہے۔ معیشت کو سیاست سے اور ریاست کو معاشرت سے جدا کرنا ممکن نہیں۔ بالکل اسی طرح آخرت دینا کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ اس طرح دنیاوی زندگی کا نظام دین کے بغیر درہم برہم ہوجاتا ہے اسی طرح اخروی زندگی میں کامیابی اور نجات کا دارومدار بھی دین پر ہے۔

اب ذہن میں یہ سوال پیدا ہونا لازمی بات ہے کہ پھر دنیا اور آخرت میں فرق کیا ہے۔ اس کا جواب آپ ﷺ کے اس ارشاد میں بڑے خوبصورت انداز میں دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا دنیا آخرت کی کھیتی ہے یعنی دنیا اور دار عمل ہے اور آخرت دارالجزا۔ اس دنیا میں جو نیک عمل کریگا تو آخرت میں دین کے اصول عدل کے مطابق ایسے نیک اجر دیا جائیگا۔ اس دنیا میں اگر کوئی شخص دوسرے پر ظلم کریگا۔ تو آخرت میں لازماً اس کا بدلہ سزا پائیگا اور یہ بھی دین کے مطابق ہوگا۔ لہذا اس سے ثابت ہوجاتا ہے کہ دین جس طرح دنیا میں نافذ العمل ہے۔ اسی طرح آخرت میں بھی ہوگا۔ مذکورہ بالا آیت مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ جہاں دین براہ راست بدلہ کے معنی میں ہی استعمال ہورہا ہے۔ اس ارشاد الٰہی سے اس حقیت کو بیان کرنا مقصود ہے کہ آخرت میں بھی حیات بعد الموت میں کوئی نئی چیز نہ ہوگی۔ بلکہ اس دنیا میں کیے گئے اعمال کی جزا ہوگی۔ جس نے دنیاوی معاملات میں دین کے اصول وضوابط کو مدنظر رکھا اخروی زندگی میں یہ دین اسے تحفظ اور نجات دلائے گا۔ یعنی انسان اور دین کی حیثیت فاعل اور مفعول کی سی ہے دنیا میں انسان فاعل اور دین مفعول ہے۔ جبکہ آخرت میں دین فاعل اور انسان مفعول ہوگا۔ یعنی دنیا میں انسان دین کے مطابق عمل کرتا ہے جبکہ آخرت میں دین انسان کے عمل کے مطابق اسے جزا و سزا دلوائے گا۔ دنیا میں انسان کو عمل کا اختیار دیا گیا ہے۔ جبکہ آخرت میں یہ اختیار دین کو منتقل کر دیا جائیگا اور اسے کہا جائیگا کہ اپنے اطاعت گزاروں، فرمانبرداروں اور نافرمانوں کو ان کے عمل کے مطابق بدلہ دے۔

شریعت کی حدود و دائرہ کار: شریعت کی حدود بھی تقریباً وہی ہیں جو دین کی ہیں۔ شریعت کے دائرہ کار میں وہ تمام امور آتے ہیں جو دین کا موضوع ہیں کیونکہ شریعت کے مفہوم میں ہر وہ بات داخل ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے بطور دین مقرر کی ہے چاہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعلق ہوں یا صفات سے یا آخرت سے۔ شریعت کی تمام تعلیمات چاہے انسان کی اصلاح اور تہذیب نفس سے متعلق ہوں چاہے وہ احکام سے متعلق ہوں یا چاہے اخلاق و اعمال سے شریعت کی حدود میں داخل ہیں۔ اسی طرح وہ تمام طریقے جن کے ذریعے زندگی کے اعلیٰ نمونوں اور مقصد تک پہنچا جا سکتا ہے یعنی حلال وحرام، کرامت و مندوب و مباح وغیرہ تمام شریعت کے دائرہ کار کی واضح اور عمدہ مثالیں ہیں۔

شریعت کی حدود اور دائرہ کار کو سمجھنے کا انتہائی آسان اور سادہ سا طریقہ شریعت کی اس تعریف میں مضمر ہے کہ دین و شریعت کے وہ تمام احکامات چاہے وہ عبادات سے متعلق ہوں ایمانیات کے حوالے سے یا معاملات کے بارے جہاں وحی قطعیت کے ساتھ حکم دے اور جس میں عقل کی مداخلت کو ناپسند کرے وہ دین کی حدود میں آتے ہیں جبکہ وہ تمام احکامات و معاملات جن میں وحی چند

رہنما اصول دینے کے بعد تفصیلات کو عقل پر چھوڑ دے تا کہ عقل وقت کے تقاضوں کے مطابق طے کرے شریعت کی حدود میں آتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دین کو وحی کا تابع اور پابند جبکہ شریعت کو آزاد چھوڑ دیا گیا ہے بلکہ شریعت کی معرفت کے لیے نصوص جاننا ضروری ہے اور ان نصوص کی روشنی میں وقوع پذیر ہونے والی نئی صورتحال میں عقل کی مدد سے غور وفکر کے بعد احکامات کا نفاذ عمل میں لایا جائے گا۔ احکام اخذ کرنے کے اس طریقہ کار کو بعض لوگ ایک اور اصطلاح فقہ کا نام دیتے ہیں لیکن یہ غلط ہے کیونکہ فقہ کا دائرہ کار عملی احکام اور لوگوں کے باہمی معاملات یعنی لین دین تک محدود ہے۔

یہاں سے ہم شریعت کی ایک اور تعریف اخذ کرتے ہیں جو اس کے حدود اور دائرہ کار کو سمجھنے میں مدد دیگی کہ زندگی گزارنے کے مجموعہ اصول و قواعد کا نام دین جبکہ ان اصول وقواعد کو عملی زندگی میں نافذ کرنے کے طریقہ کار کا نام شریعت ہے۔ شرعی احکام کے اخذ و استنباط میں چند چیزوں کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے جیسے حالات و زمانہ کی رعایت، رائج الوقت اصول و قواعد جنہیں رسم ورواج اور عرف بھی کہا جاتا ہے، عقلی دلائل سے استنباط، مصلحت یا مصالح مرسلہ، سابقہ شرائع کو ملحوظ خاطر رکھنا وغیرہ۔ ان تمام کی اپنی ایک شرعی حیثیت ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔ شرعی حکم کے اخذ و استنباط میں ان تمام امور و مسائل کا لحاظ اصل میں شریعت کی وسیع حدود و دائرہ کار کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ لیکن شریعت نے انہیں بھی آزاد نہیں چھوڑا بلکہ ان سے اخذ و استنباط احکام کے کچھ اصول اور حدود مقرر کردی ہیں ان کا مختصر جائزہ درج ذیل ہے۔

عقل: شریعت میں عقل اور وحی دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں چنانچہ عقل سے اعراض کرنا اور کام نہ لینا ایسا ہی ہے کہ سورج کی روشنی میں آدمی کا اپنی آنکھیں بند کر لینا۔ خود رسول ﷺ وحی سے قبل شریعۃ العقل کی پیروی کرتے تھے۔ چنانچہ یہ عقل ہی ہے جو شرعی احکام کی حکمت وغایت کا ادراک کر کے وقت کے نئے تقاضوں کے مطابق قانون بتاتی رہتی ہے اور اس طریق سے زندگی اور قانون کے تعلق کو باقی رکھتی ہے یہ عمل شریعت اور حامل شریعت کی منشاء کے مطابق ہے جیسا کہ حضرت معاذ بن جبلؓ والی روایت ہے ان رسول اللہ لما اراد ان یبعث معاذا الی یمن قال: کیف تقضی اذا عرض لک قضی؟.................فقال: الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ لما یرضی رسول اللہ: رسول اللہ نے معاذ بن جبل کو یمن (قاضی بنا کر) بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو ان سے پوچھا: تمہارے سامنے جب کوئی معاملہ آئے تو کیسے فیصلہ کرو گے؟ کہا: کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ فرمایا: اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ:؟ کہا: سنت رسول اللہ کے مطابق کروں گا۔ فرمایا: اگر سنت رسول اللہ اور کتاب اللہ دونوں میں نہ پاؤ؟ کہا: پس میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ آپ ﷺ نے اپنے سینے پر (ہاتھ) مارا۔ پس فرمایا: تعریف اللہ تعالی کی جس نے رسول اللہ کے فرستادہ کو یہ توفیق بخشی۔ (۷۴)

عرف یا رسم ورواج: شریعت کا دائرہ کار وحی سے شروع ہو کر انسانوں کے ادنیٰ سے ادنیٰ افعال تک جو معرض وجود میں آچکے ہیں یا جو مسائل ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے ان کا حل دریافت کرنے اور اسے لوگوں کے لیے ان کی سکت اور قوتِ برداشت کے مطابق قابل عمل بنانے تک پھیلا ہوا ہے۔ لہٰذا جس طرح شریعت کی معرفت کے لیے نصوص کا جاننا ضروری ہے اسی طرح ان حالات و ظروف کا پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔ جن میں یہ احکام نافذ کیے جارہے ہیں یہی وجہ ہے کہ شریعت میں یہ معاشرے کے مزاج اور رسوم ورواج کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ کیونکہ زندگی تغیر پذیر ہے لہٰذا احکام میں جب تک لچک اور نرمی نہ ہوگی وہ نافذ العمل نہیں ہو سکتے۔

شریعت کبھی بھی یہ تقاضا نہیں کرتی کہ تمام برقرار حالات کو ختم کر کے اس کے نفاذ کے لئے نئے حالات پیدا کئے جائیں بلکہ شریعت اس بات پر زور دیتی ہے کہ موجود حالات کا جتنا حصہ نیکی وصلاح پر مبنی ہے اسے قائم و برقرار رکھتے ہوئے صرف فاسد اور برائی والے حالات و رسم ورواج کو ختم کیا جائے۔ اور ان کی جگہ نیک وصالح عادات ورواج کو پروان چڑھایا جائے۔ شریعت کی بنیاد چونکہ

دین ہے لہذا شریعت کی کامیابی وترقی کا راز اسی میں مضمر ہے کہ دین لوگوں کی معنوی زندگی میں انقلاب برپا کرے۔ جب لوگ حق پر یقین رکھتے ہوں اور مکمل طور پر اس کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہوں، انکے اندر بندہ وخدا کے باہمی گہرے تعلق اور آخرت میں جواب دہی کا شدید احساس پیدا ہو چکا ہو تب ان پر شریعت کا نفاذ بھی آسان ہو جاتا ہے۔ یعنی دین کا پیدا کردہ معنوی انقلاب نفاذ شریعت کے لیے راہ ہموار کرتا ہے۔ لیکن جب دین کی روح نظروں سے اوجھل ہو جائے، لوگوں کے اندر خدا خوفی اور جواب دہی کا جذبہ اور احساس نہ رہے تو اسی لحاظ سے شریعت کا دائرہ کار بھی سمٹ جاتا ہے اور معاشرے کا ہر فرد اور ہر طبقہ شریعت کی بالادستی کو عملاً قبول کرنے میں پس وپیش کررہا ہوتا ہے۔ آخری شریعت کے عہد اول میں شریعت کی کامیابی کا راز بھی اصل میں یہی تھا کہ دین مکمل طور پر لوگوں کے اندر راسخ ہو چکا تھا۔ روحانی لحاظ سے دین نے انکے اندر انقلاب برپا کردیا تھا۔ لہٰذا ذہنی طور پر وہ شریعت کو قبول کرنے اور اسے عملاً اپنانے کے لئے تیار تھے۔

ہر دور اور ہر حکومت میں علمائے دین کی ایک جماعت موجود رہی ہے جس کا کام معاشرے میں شریعت کے نفاذ کے لیے راہیں ہموار کرنا رہا۔ معاشرے میں عدل وانصاف کا قیام کے لیے عدلیہ کو منظم کرنا، سیاسی امور پر غور وفکر کے لیے مجلس شوریٰ کی تشکیل، جمہوریت وجاگیرداری وغیرہ کی اصلاح کے لیے اداروں کا قیام، عام افراد کی فلاح وبہبود کے لیے کمیٹیوں وغیرہ اور اخلاقی اقدار کی اشاعت کے لیے منصوبہ جات وغیرہ تیار کرنا اس جماعت کا خاصہ ہے۔ غرضیکہ شریعت کی روشنی میں انفرادی واجتماعی زندگی کو سنوارنے اور مؤثر ومفید اور مثبت خطوط پر استوار کرنے کے لیے علماء کا کردار قابل تحسین رہا ہے۔ ذیل میں ہم اس جماعت کی چند نمایاں شخصیات کا دین وشریعت کے حوالے سے نقطہ نظر اور فکر کا جائزہ لیتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ: مغلوں کے عہد انحطاط میں حضرت شاہ ولی اللہ (۱۱۷۶ھ) جیسا بلند پایہ مذہبی مفکر پیدا ہوا جس نے دین وشریعت کو بدعات، خرافات اور توہمات کی آلائشوں سے پاک صاف کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔ اپنے عہد کی مذہبی راہوں سے ہٹ کر ایک نئی راہ اختیار کی۔ چنانچہ انہوں نے مذہبی زندگی کی فرسودہ روایات پر کڑی تنقید کی۔ تقلید وجمود کی بندشوں کو توڑا اور اصحاب تقلید کو جاہل، گمراہ اور نادان قرار دیتے ہوئے کہا ''ہر عہد میں اجتہاد فرض ہے اس لئے کہ مسائل لامحدود ہیں۔ ان میں احکام خداوندی کا جاننا ضروری ہے اور جو کچھ ہمارے پاس مطبوع یا مدون صورت میں موجود ہے وہ نہ صرف ناکافی ہے اس میں اختلاف بھی بہت ہے دلائل کو جانے بغیر اس اختلاف کو سلجھانا ناممکن ہے۔'' (۷۵) غرضیکہ شاہ صاحب نے اپنے وقت کی مذہبی پیشوائیت کا جو اپنی نفس پرستی میں سرمست تھی، سخت محاسبہ کیا اور شریعت کی حکمت اور مصلحت کو بیان کرتے ہوئے اسے لوگوں کے حقوق کا محافظ قرار دیا اس طریقہ سے انہوں نے برطانوی ہندوستان کے اہل علم کے لئے تجدید دین وشریعت کی راہ ہموار کی چنانچہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ برطانوی ہندوستان میں تاریخ اور شریعت کا جو گہرا شعور اقبال اور اس کے ہم عصر اہل علم کو تھا وہ انہی کا حصہ تھا۔ آپ کی تحریروں میں کہیں حکمران یا سیاست کا ذکر نہیں ملتا۔ چونکہ ان کا میدان تاریخ یا سیاست نہیں بلکہ فکری دین اور فلسفہ شریعت ہے۔ اپنی معروف کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں ایک جگہ فرماتے ہیں ''شریعت کی بنیاد عالمی اصول ہیں لیکن عملی طور پر نافذ کرتے وقت پیغمبر قوم کے عادات ورسوم کو بھی نگاہ میں رکھتا ہے۔ تعزیرات اور انتظامی امور میں قوم کی روایات واحوال وظروف کا ملحوظ رکھنا مناسب ترین طریقہ کار ہے انکے مطابق سزا برائے سزا شریعت کا مقصود نہیں ہے۔ لہذا شرعی احکام کو جاری کرتے وقت معاشرے کے احوال ظروف سے تغافل نہ برتا جائے۔'' (۷۶)

ڈاکٹر علامہ اقبال: برطانوی ہندوستان میں جہاں شریعت کا محدود مفہوم مذہبی حلقوں میں گردش کرتا رہا وہاں مسلمانوں میں ایسے صاحب نظر بھی پیدا ہو گئے جنہوں نے شریعت کو اس کی اصلی حالت میں دیکھا اور کہا کہ شریعت کی بنیاد پر عدل وانصاف اور اقتصادی مساوات کو قائم کیا جا سکتا ہے۔ علامہ اقبال اور ابوالکلام آزاد نے اس تصور کو عام کرنے میں نمایاں کام کیا حتیٰ کہ علماء کی ایک جماعت نے نظری طور پر اسے قبول کرلیا ''اسلام کا اقتصادی نظام'' اور ''اسلام اور جاگیرداری'' پر کتب لکھیں۔ علامہ اقبال نے بانی پاکستان کو کئی

سال پہلے (قیام پاکستان سے) صاف طور پر یہ لکھا تھا

''روٹی کا مسئلہ روز بروز شدت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کو یہ احساس ہو چلا ہے کہ وہ ادھر دو سو سال سے برابر معاشی پستی کی طرف جا رہے ہیں۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر اس نظام قانون کو (اسلامی شریعت) صحیح طور پر سمجھ کر عملاً نافذ کیا جائے تو اس سے کم از کم ہر آدمی کو معاش کا تحفظ مل جائیگا۔ واقعہ یہ ہے کہ اجتماعی جمہوریت کو کسی مناسب شکل میں اس طرح قبول کرنا کہ وہ اسلام کے قانونی اصولوں سے ہم آہنگ ہو انقلاب نہیں بلکہ اسلام کی اصلی روح کی طرف لوٹ جانا ہے۔ اس خطہ سے یہ بات صاف طور پر واضح ہوگئی ہے کہ مسلمانوں کے اقتصادی مسائل کو حل کرنے کے لئے جو بھی اجتماعی قدم اٹھایا جائیگا وہ نا صرف جائز ہوگا بلکہ اسلامی شریعت کی روح سے ہم آہنگ ہوگا۔'' (۷۷)

علامہ اقبال نے اس کو بھی واضح کر دیا کہ معاشرے میں شرعی قانون کو نافذ کرنے کے لیے کہاں سے ابتدا کی جائے۔ اقبال کی تحریروں کی روشنی میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ شرعی قانون کی ابتدا معاشی عدل و انصاف سے کی جائے۔ یہ کہنا درست ہوگا کہ اقبال اور جناح دونوں اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ شریعت ایک روحانی یا اخلاقی نظام ہی نہیں ہے بلکہ اجتماعی عدل کا قیام اسکا منتہائے نظر ہے اور یہ کہ شریعت میں مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کی کوئی گنجائش نہیں۔ شریعت کے بارے میں اقبال اور اسکے ہم عصر اہل علم ایک واضح نقطہ نظر رکھتے تھے۔ وہ شریعت کو ایک جامد قانون نہیں مانتے کیونکہ اقبال کی بنیادی تعلیم و تربیت، قانونی اور فلسفیانہ ہے۔ اس لئے وہ شریعت کے اسرار و مصالح پر زندگی بھر غور و فکر اور اپنے وقت کے معروف اہل علم سے تبادلہ خیالات کرتے رہے۔ شریعت کے مفہوم و منشا کو جاننے کے لئے اور اسے عملی شکل دینے کے لیے کیا کیا جائے؟ اس حوالے سے اقبال دوسرے علماء کی طرح اس بات کے قائل تھے کہ موجودہ وقت میں بلاد اسلامیہ میں فقہ کی تعلیم جس نہج پر ہو رہی ہے اس کی اصلاح کی جائے۔ فقہ کا نصاب مزید توسیع کا محتاج ہے اس کے ساتھ ساتھ جدید فقہ کا مطالعہ گہری نظر سے کیا جائے۔ اقبال نے فقہ کے نصاب کو بدلنے کا مشورہ اس لئے دیا کہ بعض مسلمان شعوری یا لاشعوری طور پر اسے اجتماعی زندگی میں ناقابل العمل تصور کرتے ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ شریعت کی بنیادوں پر کسی بھی مسلمان ملک میں اجتماعی اور اقتصادی مسائل کو حل نہیں کیا گیا اور کہیں بھی مثالی معاشرہ جو شریعت کا نصب العین ہے وجود میں نہیں آیا۔ دوسری طرف وہ علماء کے جمود و تعطل کو دیکھتے ہیں کہ وہ دنیاوی مسائل سے الگ رہنے ہی کو دین داری تصور کرتے ہیں۔

موجودہ وقت میں شریعت اسلامیہ کو نافذ کرنے کے لئے کونسی راہ اختیار کی جائے اور قوت نافذہ شرعی قوانین کی تعبیر و تشریح میں کس رائے کو مستند تسلیم کرے۔ اقبال نے ان امور پر سنجیدہ بحث کی ہے ان کی رائے میں اسلام کا مزاج حرکی ہے جس میں اجتہاد اپنا کردار ادا کرتا ہے نیز اسلامی قوانین کا ایک ماخذ اجماع بھی ہے اگرچہ ماضی میں یہ چند سیاسی وجوہ کی بناء پر ایک ادارہ کی حیثیت اختیار نہ کر سکا لیکن موجودہ عہد میں اجتہاد اور اجماع مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔ یہ جو علامہ صاحب شریعت یا اسلامی تعلیمات کی نئی تعبیر پر زور دے رہے ہیں اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا صحیح ہوگا کہ ان کے ہاں کلام اللہ کی طرح اس کی تشریح و تعبیر کو دوام حاصل نہیں ہے اسی لئے وہ جدید تعبیر کے حق میں نہیں۔

شیخ ابراہیم القطان: شیخ ابراہیم القطان شریعت کے بارے میں لکھتے ہیں ''شریعت سے مراد دین کی ہر وہ بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے بطور دین مشروع قرار دی ہو خواہ وہ قرآن مجید کے ذریعے مشروع قرار دی گئی ہو یا سنت رسول ﷺ کے ذریعے۔'' (۷۸) چنانچہ شریعت دین کے تمام اصولوں پر مشتمل ہے یعنی ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کی پاک ذات اسکی اعلیٰ صفات اور دار آخرت سے تعلق رکھتی ہو وہ اس میں شامل ہے۔ یہ وہ امور ہیں جن سے علم توحید میں بحث کی جاتی ہے۔ اسی طرح شریعت میں وہ تعلیمات بھی شامل ہیں جو خود انسان کی اپنی اور اسکے اہل و عیال کی اصلاح اور تہذیب نفس سے تعلق رکھتی ہیں۔ نیز ایسے امور جن پر

اجتماعی تعلقات کی بنیاد قائم ہونی چاہیئے وہ بھی شریعت میں شامل ہیں۔ یہ تمام وہ اعلیٰ مثالیں ہیں جن تک پہنچنے کی کوشش کی جانی چاہئے اسی طرح وہ طریقے جن کے ذریعے ان اعلیٰ نمونوں یا زندگی کے مقصد تک پہنچا جاتا ہے وہ تمام شریعت میں داخل ہیں تمام چیزیں علم اخلاق سے موسوم کی جاتی ہیں۔ اس طرح دین نے مسلمانوں کے تمام معاملات کو شریعت کی شکل دے دی اور آئندہ آنے والی نسلوں میں اس کی نشونما میں اہم حصہ لیا چنانچہ شریعت مسلسل ترقی کرتی رہی یہاں تک کہ اس نے مسلمانوں کے تمام انسانی معاملات اور تعلقات کو نہایت عمدگی کے ساتھ نظم کرنے والے ایک عظیم ادارہ کی شکل اختیار کر لی اور مسلمانوں کے تمام قوانین اس بنیادی اصول کے تابع ہو گئے جو فقہی، دینی اور الٰہی نقطہ نظر سے دنیاوی امور اور دینی امور میں کوئی فرق نہیں کرتا۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی: ڈاکٹر محمود احمد غازی شریعت کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''شریعت ایک جامع اصطلاح ہے جس میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جن کی رسول اللہ ﷺ نے تعلیم دی ہے۔ جو کچھ بھی رسول کے ذریعے ہم تک پہنچا وہ سب کا سب شریعت ہے پورا قرآن اور سنت کے تمام مجموعے۔'' (۷۹) شریعت کے بارے میں ڈاکٹر محمود احمد غازی کے فرمودات کا خلاصہ یہ ہے کہ عربی زبان میں شریعت اس راستے کو کہتے ہیں جس پر چل کر آپ پانی کے ذخیرے تک پہنچ سکیں۔ یعنی اگر آپ کا قیام کسی گاؤں یا دیہات کے ایسے مقام پر ہو جہاں پانی کا کوئی باقاعدہ یعنی مستقل بندوبست نہ ہو تو یقیناً آپ کو صبح و شام کسی کنویں، چشمے، یا ندی و نہر وغیرہ پر جانا پڑے گا۔ یقیناً اس طرف گاؤں کے باقی لوگ بھی جارہے ہیں۔ چشمے کی طرف لوگوں کی مسلسل آمدورفت کے باعث ایک ہموار راستہ بن جائیگا جس پر چلنا اور چشمے تک پہنچنا نہایت آسان ہوگا اور اس سے سب لوگ واقف ہو جائیں گے اور یہ باقی راستوں کی نسبت چشمے کی طرف جانے کیلئے نہایت مختصر اور سیدھا راستہ ہوگا۔ ایسے ہی مشہور و معروف اور سیدھے راستے کو عربی میں شریعت کہتے ہیں۔

شیخ محمد عبدہٗ: مصر میں شیخ محمد عبدہٗ جیسے لوگ پیدا ہوئے جو شریعت کے بارے میں ایک واضح تصور رکھتے تھے۔ انہیں اس بات کا احساس تھا کہ شریعت کو ایک صحت مند تمدن کی تخلیق میں اپنا کردار ادا کرنا چاہئے چنانچہ آپ نے جامعۃ الازہر اور شرعی عدالتوں کی اصلاح کے لیے ایک تاریخی رپورٹ (۸۰) لکھی جس میں جامعہ کے نصاب تعلیم اور عدالتوں کے طریقہ کار کو یک قلم بدلنے پر اصرار کیا اور دلائل و شواہد سے بتایا کہ شریعت کے بنیادی مقاصد کیا ہیں اور ان کی روشنی میں مخلوق خدا کی بھلائی کے لیے کیا کچھ کرنا چاہئے اور وقت کے نئے مسائل کو سلجھانے کے لیے آئمہ کرام نے اجتہاد اور غور و فکر کی جو راہ اختیار کی ہے اس راہ پر چلنے کی ہے اس راہ پر اب چلنے کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر احمد حسن: اپنے مقالہ ''اسلامی شریعت ایک جامع و مکمل نظام زندگی'' میں شریعت کی اصطلاحی تعریف میں لکھتے ہیں **الشریعة ماشرع اللہ لعبادہ من الدین**: شریعت ان احکام کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو قانون کی حیثیت سے دیئے ہیں۔ (۸۱) شریعت کا ان احکام پہ اطلاق ہوتا ہے جو قرآن و سنت میں موجود ہیں ان کی تشریع خواہ قرآن کریم سے ہو یا سنت نبوی ﷺ سے۔ یعنی وہ احکام جو نبی کریم ﷺ پر بذریعہ وحی نازل ہوئے تا کہ آپ ﷺ ان کو لوگوں تک پہنچائیں۔ وحی میں جلی اور خفی دونوں شامل ہیں۔

شریعت کے بارے میں علمائے دین کی آراء کا حاصل یہ ہے کہ شریعت لامحدود اور انتہائی وسیع ہے۔ تمام دینی و دنیاوی، انفرادی و اجتماعی، ملکی و بین الاقوامی معاملات و مسائل شریعت کی حدود میں داخل ہیں۔ تمام موجودہ و آئندہ مسائل پر بحث کرنا اور غور و فکر کے ذریعے ان کا حل دریافت کرنا شریعت کا مدعا و مقصد ہے۔ مختصر یہ کہ جس طرح انسانی زندگی کے مسائل لامحدود ہیں اسی طرح شریعت کی حدود و دائرہ کار بھی لامحدود ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ بلیاوی، عبدالحفیظ، مصباح اللغات، ص ۲۵۸، مقبول اکیڈمی ۱۹۹ سرکلر روڈ چوک انارکلی لاہور۔ س ن

۲۔ حسن اللغات (جامع) فارسی۔ اردو، ص ۴۱۳، علی حسن پبلشرز اورینٹل بک سوسائٹی، گنپت روڈ چوہان پرنٹنگ پریس لاہور۔ س ن۔

۳۔ لوئیس معلوف، المنجد فی اللغۃ والاعلام، ص ۲۳۱، المطبعۃ الکاثولیکیۃ فی بیروت، الطبعۃ الرابعۃ العشرین، سن اشاعت ۱۹۸۰ء/ ۱۴۰۰ھ

۴۔ نیر، نورالحسن، مولوی، مرحوم، نوراللغات، ج ۳، ص ۱۷۷، نیاز احمد پبلشرز، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، سن اشاعت ۱۹۸۹ء/ ۱۴۰۹ھ

۵۔ الجلالی، عبدالدائم، مولانا، سید، لغات القرآن، ج ۳، ص ۱۸، منیجر ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی، اعلیٰ پریس دہلی، طبع دوم، سن اشاعت ۱۹۶۱ء/ ۱۳۸۱ھ

۶۔ سرہندی، وارث، مولانا، قاموس مترادفات، ص ۶۲۹، اردو سائنس بورڈ ۲۹۹ اپر مال لاہور، طبع اول، سن اشاعت ۱۹۸۶ء/ ۱۴۰۶ھ

۷۔ خورشید احمد، اسلامی نظریہ حیات، ص ۲، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ کراچی یونیورسٹی، کراچی، طبع ہفتم، سن اشاعت ۱۹۸۲ء/ ۱۴۰۲ھ

۸۔ الطاف جاوید، اسلامی انقلاب کا عہد نامہ، ص ۱۹۴ تا ۱۹۹، الائیو پبلشرز، A-6 یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور، سن اشاعت ۱۹۹۷ء/ ۱۴۱۷ھ

۹۔ عبدالباقی، فواد، محمد، معجم المفہرس لالفاظ القرآن کریم، ص ۲۶۸، القاہرہ مطبعۃ دارالکتب المصریۃ، سن اشاعت ۱۹۴۵ء/ ۱۳۶۴ھ

۱۰۔ القرآن: ۱۲:۷۶　　۱۱۔ القرآن: ۲:۱۹۳　　۱۲۔ القرآن: ۱۲:۷۶

۱۳۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا، تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۴۲۲، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، طبع پچیس، سن اشاعت جولائی ۱۹۹۱ء/ ۱۴۱۱ھ

۱۴۔ القرآن: ۳۹:۳　　۱۵۔ القرآن: ۱۰:۱۰۵　　۱۶۔ القرآن: ۴۲:۱۳

۱۷۔ ولی اللہ، شاہ، محدث دہلوی، قرآن مجید ترجمہ فارسی، ص ۵۸۲، تاج کمپنی لیمیٹڈ کراچی لاہور

۱۸۔ مودودی، تفہیم القرآن، ج ۴، ص ۴۸۷

۱۹۔ نقوش قرآن نمبر، ج ۱، ص ۵۶۴، ادارہ فروغ اردو لاہور، سن اشاعت ۱۹۹۸ء/ ۱۴۱۸ھ

۲۰۔ القرآن: ۸۲:۹　　۲۱۔ القرآن: ۹۵:۷　　۲۲۔ القرآن: ۱۰۷:۱

۲۳۔ القرآن: ۲:۲۵۶

۲۴۔ نسائی، احمد بن شعیب بن علی، ابوعبدالرحمن، امام، سنن نسائی، باب تحریم الدم، المعجم ۱۳، حدیث ۴۰۵۷، دارالسلام الریاض، طبع دوم، سن اشاعت ۲۰۰۰ء/ ۱۴۲۰ھ

۲۵۔ نسائی، سنن نسائی، باب المواقیت، المعجم ۶، حدیث ۵۰۳

۲۶۔ نسائی، سنن نسائی، باب البیعۃ، المعجم ۳۱، حدیث ۴۲۰۴

۲۷۔ مسلم، مسلم بن حجاج، ابوالحسین، امام، الجامع الصحیح، باب الجہاد، حدیث ۴۹۵۷، دارالسلام الریاض، طبع دوم، سن اشاعت ۲۰۰۰ء/ ۱۴۲۰ھ

۲۸۔ راغب اصفہانی، امام، معجم مفردات الفاظ القرآن، ص ۲۶۵

۲۹۔ ابن منظور، جمال الدین، ابوالفضل، علامہ، لسان العرب، ج ۸، ص ۱۷۶، دارالفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع۔ دار صادر بیروت، طبع ہفتم، سن

اشاعت ۱۹۹۷ء/ ۱۴۱۷ھ
۳۰۔ بلیاوی، مصباح اللغات،ص ۴۲۷
۳۱۔ حسن اللغات (جامع) فارسی۔اردو،ص ۵۴۳
۳۲۔ نیر، نور اللغات، ج ۳،ص ۴۶۶
۳۳۔ سرہندی، وارث، قاموس مترادفات،ص ۵۶۷
۳۴۔ الجلالی، لغات القرآن، ج ۳،ص ۲۶۹
۳۵۔ القرطبی، محمد بن احمد، ابوعبداللہ، الجامع لاحکام القرآن، ج ۱۶،ص ۱۶۳، مطبع دار الکتب المصریۃ قاہرہ، سن اشاعت ۱۹۴۷ء/ ۱۳۶۶ھ
۳۶۔ ابن منظور، لسان العرب، ج ۸،ص ۱۷۶
۳۷۔ احمد نگری، عبد النبی، جامع العلوم فی اصطلاحات الفنون الملقب دستور العلماء، ج ۲،ص ۲۰۹، منشورات مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت، لبنان، طبع دوم، سن اشاعت ۱۹۷۵ء/ ۱۳۹۵ھ
۳۸۔ ساجد الرحمان، مولانا، کشاف اصطلاحات قانون (اسلامی)، ج ۱،ص ۱۷۶، مقتدرۃ قومی زبان اردو اسلام آباد، طبع اول، سن اشاعت ۱۹۹۱ء/ ۱۴۱۱ھ
۳۹۔ جصاص، احمد بن علی الرازی، ابوبکر، علامہ، احکام القرآن، ج ۲،ص ۴۳، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، طبع اول، سن اشاعت ۱۹۹۹ء/ ۱۴۱۹ھ
۴۰۔ ابن منظور، لسان العرب، ج ۸،ص ۱۷۶
۴۱۔ خورشید احمد، اسلامی نظریہ حیات،ص ۳۴۵
۴۲۔ صبحی محمصانی، ڈاکٹر، فلسفۃ التشریع فی الاسلام،ص ۱۴، مکتبۃ الکشاف ومطبعتھا بیروت، سن اشاعت ۱۹۴۶ء/ ۱۳۶۵ھ
۴۳۔ الفاروقی التھانوی، محمد علی بن علی، علامہ، قاضی، کشاف اصطلاحات الفنون، ج ۱،ص ۷۶۱، سہیل اکیڈمی اردو بازار لاہور، طبع اول، سن اشاعت ۱۹۹۳ء/ ۱۴۱۳ھ
۴۴۔ عبد الباقی، محمد فواد، معجم المفہرس لالفاظ القرآن،ص ۳۷۸، دار الکتب المصریۃ، سن اشاعت ۱۹۴۵ء/ ۱۳۶۷ھ
۴۵۔ القرآن: ۴۲: ۱۳
۴۶۔ مودودی، تفہیم القرآن، ج ۱،ص ۴۷۸
۴۷۔ القرطبی، محمد بن احمد، ابوعبداللہ، الجامع لاحکام القرآن، ج ۱۶،ص ۱۱
۴۸۔ دریا آبادی، عبد الماجد، مولانا، القرآن الحکیم مع ترجمہ وتفسیر،ص ۹۷۸، تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور، کراچی
۴۹۔ القرآن: ۴۲: ۲۱
۵۰۔ الجلالی، لغات القرآن، ج ۳،ص ۲۶۹
۵۱۔ دریا آبادی، القرآن الحکیم مع ترجمہ وتفسیر،ص ۹۷۰
۵۲۔ کاندھلوی، محمد مالک بن محمد ادریس، معارف القرآن، ج ۷،ص ۲۵۰، فرید بک ڈپو لمیٹڈ، ۴۲۲ مٹیا محل اردو مارکیٹ جامع مسجد دھلی، طبع اول، سن اشاعت ۲۰۰۰ء/ ۱۴۲۱ھ
۵۳۔ القرآن: ۷: ۶۳
۵۴۔ القرآن: ۵: ۴۸
۵۵۔ صدیقی، میاں محمد، فرہنگ اصطلاحات قرآن،ص ۱۳۳، طاہر پرنٹنگ پریس لاہور، 4/8 اسلام آباد مقتدرہ قومی زبان، پطرس بخاری روڈ H-6 پاکستان، طبع اول، سن اشاعت ۲۰۰۳ء/ ۱۴۲۳ھ
۵۶۔ الازہری، کرم شاہ، محمد، پیر، ضیاء القرآن، ج ۱،ص ۴۷۷، ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور، طبع پنجم، سن اشاعت ۱۹۸۳ء/ ۱۴۰۳ھ
۵۷۔ مودودی، تفہیم القرآن، ج ۴،ص ۴۹۰
۵۸۔ دریا آبادی، القرآن الحکیم مع ترجمہ وتفسیر،ص ۲۵۶
۵۹۔ القرآن: ۴۵: ۱۸
۶۰۔ الازہری، ضیاء القرآن، ج ۴،ص ۴۵۶

۶۱۔ نسائی، سنن نسائی، کتاب الصیام، حدیث ۲۰۹۲ ۶۲۔ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب المساجد، المعجم ۴۴، حدیث ۱۴۸۸

۶۳۔ راغب اصفہانی، معجم مفردات القرآن، ص ۱۷۷ ۶۴۔ القرآن: ۴۲: ۱۳

۶۵۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، ابوعبداللہ، امام، الجامع الصحیح، کتاب احادیث الانبیاء، باب ۴۸، حدیث ۳۴۴۳، دار السلام الریاض، طبع دوم، سن اشاعت ۲۰۰۰ء/۱۴۲۰ھ

۶۶۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج ۶، ص ۲۱۱، مکتبۃ الغزالی دمشق

۶۷۔ الآمدی، علی بن ابی علی بن محمد، سیف الدین ابوالحسن، علامہ، احکام فی اصول الاحکام، ج ۱، ص ۵، مکتبۃ ومطبعۃ محمد علی صبیح واولادہ بالازہر بمصر، سن اشاعت ۱۹۶۸ء/ ۱۳۸۷ھ

۶۸۔ شافعی، محمد بن ادریس، ابوعبداللہ، امام، الرسالۃ، ص ۶، دار الکتاب العربی بیروت، الطبعۃ الاولی، سن اشاعت ۱۹۹۹ء/ ۱۴۲۰ھ

۶۹۔ وہبہ الزحیلی، امام، اصول الفقہ الاسلامی، ج ۱، ص ۲۱، دار احسان للنشر والتوزیع ایران، طبع اول، سن اشاعت ۱۹۹۷ء/ ۱۴۱۷ھ

۷۰۔ مجلۃ الاحکام العدلیۃ، ص ۱۵، نور محمد کارخانہ تجارت کتب قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی نمبر ۱

۷۱۔ جالندھری، رشید احمد، ڈاکٹر، برطانوی ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم ایک ناقدانہ جائزہ، ص ۱۴، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد، طبع اول ۱۹۸۹ء/ ۱۴۰۹ھ

۷۲۔ حوالہ سابقہ ۷۳۔ القرآن: ۱: ۳

۷۴۔ ابوداؤد، سنن ابی داود، کتاب القضاء، باب اجتہاد بالرائے فی القضاء، حدیث ۳۵۹۲

۷۵۔ محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ، حضرت مولانا، حجۃ اللہ البالغہ، مترجم: مولانا خلیل احمد اسرائیلی، ج ۱، ص ۴۱، اسلامی اکادمی اردو بازار لاہور، سن اشاعت دسمبر ۱۹۷۷ء/ ۱۳۹۷ھ

۷۶۔ حوالہ سابقہ ۷۷۔ جالندھری، برطانوی ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم، ص ۳۴

۷۸۔ القطان، ابراہیم، شیخ، شریعت اسلامی، ص ۶۶، فقہ اسلامی کراچی ۲۰۰۸ء/ ۱۴۲۸ھ

۷۹۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات فقہ، ص ۳۳، الفیصل، ناشران وتاجران کتب، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور، سن اشاعت ۲۰۰۵ء/ ۱۴۲۵ھ

۸۰۔ محدث دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، ص ۴۱ ۸۱۔ احمد حسن، اسلامی شریعت ایک جامع نظام زندگی، ص ۳۵